وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اسلامیات (لازمی)

برائے جماعت 11

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بُک بورڈ، اسلام آباد

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

اسلامیات (لازمی)

برائے جماعت

11

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بُک بورڈ، اسلام آباد

ہمارا نصب العین

معیار ◦ حاصلات ◦ رسائی ◦ اُسلوب

اسلامیات (لازمی) برائے جماعت گیارھویں

تیار کردہ و منظور کردہ: وفاقی وزارتِ تعلیم (کریکولم ونگ)
حکومتِ پاکستان، اسلام آباد
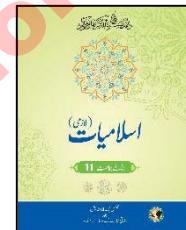
مؤلفین و مصنفین: ڈاکٹر احسان الحق، ڈاکٹر سعید اللہ قاضی، ڈاکٹر ظہور اظہر، ڈاکٹر ضیاء الحق یوسف زئی
پروفیسر افتخار احمد بھٹہ، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی، پروفیسر شبیر احمد منصوری، پروفیسر امینہ ناصرہ
جناب عبدالستار غوری، جناب ناظم علی خان ماتلوی، پروفیسر محمد طاہر مصطفٰی، قاری سید شریف الہاشمی
مدیران: پروفیسر افتخار احمد بھٹہ، قاری سید شریف الہاشمی

تدوین/پروف ریڈنگ: ڈاکٹر عبدالمجید بغدادی، احسان اللہ
زیرِ انتظام: اشتیاق احمد ملک، سیکرٹری، این بی ایف
انچارج نصابی کتب: محمد رفیق، اسسٹنٹ ڈائریکٹر، نیشنل بُک فاؤنڈیشن
پہلی اشاعت: 2004ء
اشاعت 2017: تعداد: 30000
اشاعت 2018: تعداد: 30050
اشاعت 2019: تعداد: 20050
نظرِ ثانی شدہ ایڈیشن 2020: تعداد: 24000
قیمت: 80/-
کوڈ نمبر: STU-310
آئی ایس بی این: 978-969-37-1183-7
طابع: مارشل پرنٹنگ پریس، راولپنڈی
نیشنل بُک فاؤنڈیشن کی دیگر مطبوعات کے بارے میں معلومات کے لیے رابطہ:
ویب سائٹ: http://www.nbf.org.pk یا فون 9261125، 92-51-9261124
ای میل books@nbf.org.pk , nbftextbooks@gmail.com

پیش لفظ

اسلامیات (لازمی) برائے جماعت گیارھویں وزارتِ تعلیم (کریکولم ونگ) کی 2004 کی منظور کردہ ہے۔ جواب بھی گیارھویں جماعت میں پڑھائی جارہی ہے۔ ہم یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں کہ اس کتاب کے مرتبین ہمارے ملک کے نامور اساتذہ کرام ہیں جنھوں نے رضاکارانہ طور پر اس کتاب کا مسودہ وزارتِ تعلیم کے توسط سے نیشنل بُک فاؤنڈیشن کو فراہم کیا۔ ادارہ ان مرتبین کی اس بلامعاوضہ کاوش کی دل کی گہرائیوں سے تحسین کرتا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یقیناً طلبہ اس قابل ہو جائیں گے :

اُن پر روز مرہ زندگی میں عقائد کی اہمیت و افادیت واضح ہو سکے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت، ملائکہ، آسمانی کتابیں اور آخرت کے بارے میں مکمل طور پر جان سکیں اور ان کے بارے میں کھل کر اظہار کر سکیں۔

وہ تمام الہامی کتابوں پر یقین رکھتے ہوئے قرآن مجید کو آخری کتاب مانیں۔ اس کے احکام پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کی تلقین کریں۔

قرآن مجید کی آیتیں اور دُعائیں ناظرہ، حفظ، ترجمہ اور تشریح کے ساتھ بیان کر سکیں۔

نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور اسوہ حسنہ سے آگاہ ہو کر اس کے فروغ کا فریضہ انجام دے سکیں۔

قرآن وحدیث کے بارے میں مکمل آگاہی حاصل کر سکیں۔

زندگی کے ہر شعبہ میں دین کی اہمیت وافادیت جان سکیں اور اپنی زندگی میں اخوت، اتحادِ ملی، تحمل و بردباری، مساوات، حقوق العباد وغیرہ جیسے اخلاق سے متصف ہو سکیں۔

حقوق و فرائض کے متعلق اسلامی تعلیمات سے واقف ہو کر مثالی مسلمان ثابت ہو سکیں۔

تحقیق اور نظرِ ثانی کے بعد یہ کتاب دوبارہ شائع کی جارہی ہے۔ اُمید کی جاتی ہے یہ کتاب گیارھویں جماعت کے طلبہ کے لیے مفید ثابت ہوگی تاہم اگر اس کتاب میں کسی قسم کی کوئی علمی خامی یا کمی معلوم ہو، تو اس کی نشان دہی کی جائے، تاکہ آئندہ اشاعتوں میں ضروری تصحیح کی جاسکے۔

نیشنل بُک فاؤنڈیشن

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

فہرست مضامین

باب اول

بنیادی عقائد

لفظ عقیدہ عقد سے بنا ہے جس کے معنی ہیں باندھنا اور گرہ لگانا۔ تو عقیدہ کے معنی ہوئے باندھی ہوئی یا گرہ لگائی ہوئی چیز۔ انسان کے پختہ اور اٹل نظریات کو عقائد کہا جاتا ہے۔ اس کا ہر کام انہی نظریات کا عکس ہوتا ہے۔ یہ عقائد اس کے دل و دماغ پر حکمرانی کرتے ہیں۔ یہی اس کے اعمال کے محرک ہوتے ہیں۔

عقیدے کی مثال ایک بیج جیسی ہے اور عمل اس بیج سے اگنے والا پودا۔ یہ ظاہر ہے کہ پودے میں وہی خصوصیات ہوں گی جو بیج میں پوشیدہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں نے تبلیغ کا آغاز عقائد کی اصلاح سے کیا۔ سید دو عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بھی جب مکہ مکرمہ میں پیغام رسالت پہنچانا شروع کیا تو سب سے پہلے عقائد کی اصلاح پر زور دیا۔ اسلام کے بنیادی عقائد یہ ہیں۔ توحید، رسالت، ملائکہ، آسمانی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ (سورہ البقرہ: ۱۷۷)

ترجمہ: لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب (الہامی) کتابوں اور پیغمبروں پر۔

توحید

توحید کا مفہوم: اسلامی عقائد میں سب سے پہلا عقیدہ توحید کا ہے۔ توحید کے لغوی معنی ہیں ایک ماننا۔ یکتا جاننا۔ دین کی اصطلاح میں اس سے مراد یہ ہے کہ سب سے برتر و اعلیٰ اور ساری کائنات کی خالق و مالک ہستی کے واحد و یکتا ہونے پر ایمان لانا اور صرف اسی کو عبادت کے لائق سمجھنا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے بھی پیغمبر تشریف لائے سب نے لوگوں کو توحید کی تبلیغ کی اور انہیں بتایا کہ کائنات کی تمام اشیاء اللہ ہی کی مخلوق اور سبھی اس کے عاجز بندے ہیں۔ اس لیے صرف اللہ ہی کی عبادت کرنی چاہیے اور اسی کے احکام کو ماننا چاہیے۔

وجود باری تعالیٰ: جب بھی ہم کسی بنی ہوئی چیز کو دیکھتے ہیں تو ہمارا ذہن اس کو بنانے والے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مکان کو دیکھیں تو معمار کا تصور آ جاتا ہے۔ گھڑی دیکھیں تو گھڑی ساز کا تصور آ جاتا ہے۔ کیونکہ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ کوئی مکان معمار کے بغیر یا کوئی گھڑی، گھڑی ساز کے بغیر بن سکتی ہے۔ اسی طرح جب کائنات پر غور کیا جائے تو ضرور اس کے بنانے والے کا خیال آئے گا۔ کیونکہ کوئی صحیح ذہن اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اتنا بڑا منظم و مربوط جہان کسی بنانے والے کے بغیر خود بخود بن گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ (سورۃ ابراہیم:۱۰)

ترجمہ: کیا اللہ میں شبہ ہے جس نے بنائے آسمان اور زمین۔

کائنات پر جب گہری نظر ڈالی جائے تو اس میں ایک نظم و ضبط نظر آئے گا۔ کہیں بھی بے ترتیبی نہیں ملے گی۔

اَلَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝۳ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّ هُوَ حَسِيْرٌ ۝۴ (سورۃ الملک:۳:۴)

ترجمہ: (وہی اللہ ہے) جس نے سات آسمان تہ بہ تہ پیدا کر دیئے تو (خدائے) رحمٰن کی صنعت میں کوئی فتور نہ دیکھے گا۔ سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ۔ لوٹ آئے گی تیرے پاس تیری نگاہ رد ہو کر، تھک کر۔

سورج اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے اور چاند اپنے مدار میں سورج چاند کے مدار میں نہیں جاتا اور چاند سورج کی طرف نہیں بڑھتا۔ اسی طرح ایک خاص وقت تک رات رہتی ہے اور ایک خاص وقت تک دن۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ (سورۃ یٰسٓ:۴۰)

ترجمہ: نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

کائنات کی ہر چیز میں ایک مقرر اندازہ اور خاص نظم و ضبط پایا جاتا ہے۔

اِنَّا كُلَّ شَیۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ (سورۃ القمر:۴۹)

ترجمہ: ہم نے ہر چیز کو (ایک خاص) اندازے سے پیدا کیا ہے۔

کائنات کا یہ نظم وضبط اس بات کی روشن دلیل ہے کہ ایک ایسی اعلیٰ و برتر ذات موجود ہے جس نے کائنات میں یہ خوب صورت نظام پیدا فرمایا ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ (سورۃ آل عمران:۱۹۰)

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کے ادل بدل میں اہل عقل کے لیے (بڑی) نشانیاں ہیں۔

دن، رات، چاند، سورج اور زمین و آسمان کا نظم وضبط سب اللہ تعالیٰ کی حکمت و کاریگری کی نشانی ہے۔

صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِیۡۤ اَتۡقَنَ كُلَّ شَیۡءٍ (سورۃ النمل:۸۸)

ترجمہ: کاریگری اللہ ہی کی ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

(ایک اور مقام پر ارشاد ہوا۔)

اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَیۡرِ شَیۡءٍ اَمۡ هُمُ الۡخٰلِقُوۡنَ ﴿ؕ﴾ اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ ۚ بَلۡ لَّا یُوۡقِنُوۡنَ ﴿ؕ﴾ (سورۃ الطور:۳۵،۳۶)

ترجمہ: کیا یہ لوگ بغیر کسی کے (پیدا کیے) پیدا ہو گئے ہیں۔ یا یہ کہ خود (اپنے) خالق ہیں۔ یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کر لیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ان میں یقین ہی نہیں۔

جس طرح زمین و آسمان اور ساری کائنات وجود باری تعالیٰ کی گواہی دیتی ہے اسی طرح انسان کی فطرت کی آواز بھی یہی ہے۔ انسانی تاریخ کے مطالعہ سے مہذب سے مہذب اور وحشی سے وحشی ہر طرح کی قوموں میں قادر مطلق کی ذات کا اعتراف ملتا ہے۔ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دنیا کے مختلف گوشوں میں بسنے والی وحشی اقوام جن کی فکری و ذہنی سطح بہت پست تھی وہ بھی کسی نہ کسی شکل میں اللہ کے وجود کی قائل تھیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وجود باری تعالیٰ پر ایمان، انسان کی فطرت میں داخل ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا ؕ (سورۃالروم:۳۰)

ترجمہ: اللہ کی اس فطرت (کا اتباع کرو) جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

وَفِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ﴿ۙ﴾ وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿﴾ (الذّٰریٰت:۲۰،۲۱)

ترجمہ: اور زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں یقین دلانے والوں کے لیے اور خود تمہاری ذات میں بھی۔ تو کیا تمہیں دکھائی نہیں دیتا۔

کائنات کو بنانے والی یہ اعلیٰ و برتر ہستی صرف ایک ہی ہے۔ انسان کی صحیح سوچ اسے اسی نتیجہ پر پہنچاتی ہے۔ کیونکہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو ان کے باہمی تصادم کی وجہ سے کائنات کا یہ نظام ایک لمحہ کے لیے بھی قائم نہ رہ سکتا۔ لیکن کائنات تو اپنی مربوط و منظم شکل میں موجود ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِـہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ۚ (سورۃ الانبیاء:۲۲)

ترجمہ: اگر ان دونوں (یعنی زمین و آسمان) میں علاوہ اللہ کے کوئی معبود ہوتا تو ان دونوں میں فساد برپا ہو جاتا۔

ذات و صفات باری تعالیٰ: عقیدہ توحید کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں بھی اور صفات میں بھی اور صفات کے تقاضوں میں بھی یکتا تسلیم کیا جائے۔ ذات کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور حقیقت میں کوئی دوسرا فرد حصہ دار نہیں۔ لہٰذا نہ اس کی کوئی برابری کر سکتا ہے، اور نہ اس کا کوئی باپ یا اولاد ہے کیونکہ باپ اور اولاد کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں کوئی شریک نہیں تو نہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا، بیٹی ہے اور نہ اس کا کوئی بیٹا، بیٹی ہے۔

قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾ (سورۃ الاخلاص:۱،۴)

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

صفات باری تعالیٰ کی یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی صفات کاملہ کا مالک ہے جو کسی اور فرد میں موجود نہیں۔ وہ اپنے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر ہر صفت میں یکتا اور بے مثل ہے۔

صفات کے تقاضوں میں یکتائی کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو پیدا کیا، وہی سب کا مالک اور رازق ہے۔ سب اسی کے محتاج ہیں۔ وہی سب کچھ دینے والا ہے لہٰذا تمام مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک اور قدیر و علیم پروردگار کی عبادت و بندگی بجالائیں۔ اور کسی دوسرے کو اس کا شریک نہ بنائیں اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں۔

شرک: عقیدہ توحید انسان کا سب سے پہلا عقیدہ ہے۔ شرک اور اس کی تمام اقسام بعد کی پیداوار ہیں۔ دنیا کا پہلا انسان عقیدہ توحید ہی کا قائل تھا۔ پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام تھے۔ جو اللہ تعالیٰ کے پہلے نبی تھے۔ آپ نے اپنی اولاد کو بھی اسی عقیدہ کی تعلیم دی مگر جیسے جیسے انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا گیا اور لوگ ادھر ادھر بکھرنے لگے تو آہستہ آہستہ لوگوں نے سچی تعلیمات کو بھلا دیا اور گمراہی کا شکار ہو کر ایک خدائے بزرگ و برتر کی بجائے کئی خدا ماننے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں بھی معبود بنالیا۔ ان لوگوں نے جس چیز کو ہیبت ناک دیکھا اس سے ایسے خوفزدہ ہوئے کہ اسے دیوتا سمجھ لیا اور اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی۔ اس طرح انہوں نے آگ کا دیوتا، سمندر کا دیوتا اور آندھیوں وغیرہ کے دیوتا گھڑ لیے۔ دوسری طرف جن چیزوں کو بہت نفع بخش پایا ان کی بھی پوجا شروع کر دی۔ گائے وغیرہ کی پوجا اسی وجہ سے شروع ہوئی۔ ان لوگوں کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے کئی پیغمبر بھیجے۔ جنہوں نے ان کو توحید کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور شرک کی مذمت کی۔ قرآن مجید میں شرک کو بہت بڑا ظلم کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ○ (سورۃ القمٰن: ۱۳)

ترجمہ: بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ (سورۃ النساء: ۴۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (یہ بات) معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنایا جائے لیکن اس کے علاوہ جس کسی کو بھی چاہے گا بخش دے گا۔

شرک کے لغوی معنی ''حصہ داری'' اور ''ساجھے پن'' کے ہیں۔ دین کی اصطلاح میں شرک کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، یا صفات، یا صفات کے تقاضوں میں کسی کو اس کا حصہ دار اور ساجھی ٹھہرانا۔ اس طرح شرک کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ذات میں شرک: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت میں کسی دوسرے کو حصہ دار سمجھنا۔اس کی ایک صورت یہ ہے کہ کسی دوسرے میں یہی حقیقت مان کر اسے اللہ تعالیٰ کا ہمسر اور برابر سمجھنا اور دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی کی اولاد سمجھنا یا کسی کو اللہ تعالیٰ کی اولاد سمجھنا۔ کیونکہ والد اور اولاد کی حقیقت ایک ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا جس طرح دو خداؤں یا تین خداؤں کو ماننا شرک ہے اسی طرح کسی کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا بیٹی سمجھنا بھی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝۳ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ (سورۃ الاخلاص:۳،۴)

ترجمہ: نہ اس سے کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

۲۔صفات میں شرک: اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جیسی صفات کسی دوسرے میں ماننا اور اس جیسا علم، قدرت یا ارادہ کسی دوسرے کے لیے ثابت کرنا، کسی دوسرے کو ازلی و ابدی سمجھنا یا کسی دوسرے کو قادر مطلق تصور کرنا، یہ سب شرک ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ (سورۃ الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: کوئی چیز اس کی مثل نہیں۔

کیونکہ ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ جس میں جو صفت بھی پائی جاتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ذاتی ہیں کسی کی عطا کردہ نہیں۔

۳۔صفات کے تقاضوں میں شرک: اللہ تعالیٰ عظیم صفات کا مالک ہے۔ ان صفات کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کی عبادت کی جائے اور اسی کے سامنے پیشانیاں جھکائی جائیں۔ حقیقی اطاعت و محبت کا صرف اسی کو حق دار سمجھا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ وہی کارساز ہے۔ اقتدار اعلیٰ صرف اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی کے قوانین پر عمل کرنا ضروری ہے اور اس کے قوانین کے مقابلے میں کسی کا قانون کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ (سورۃ بنی اسرائیل:۲۳)

ترجمہ: تم صرف اسی کی عبادت کیا کرو۔

وَ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (سورۃ البقرۃ:۱۶۳)

ترجمہ: اور تمہارا معبود ایک خدا ہے۔ بجز اس کے کوئی معبود نہیں ہے۔

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ○ (سورۃ المائدۃ: ۴۴)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ کے نازل کیے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو یہی لوگ کافر ہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (سورۃ یوسف: ۴۰)

ترجمہ: حکم صرف اللہ کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی کو منعم حقیقی سمجھا جائے اور خلوص دل سے اس کا شکر بجالایا جائے۔ یہ شکر صرف یہی نہیں کہ زبان سے "یا اللہ تیرا شکر ہے" کہہ دیا جائے بلکہ اس کی حقیقی صورت یہ ہے کہ اپنی عبادت و بندگی کا رخ صرف اللہ کی ذات کی طرف پھیر دیا جائے اور غیر اللہ کی عبادت و بندگی کا اپنی عملی زندگی میں کوئی شائبہ تک نہ رہنے دیا جائے۔

ہمیں یہ خوب خیال رکھنا چاہیے کہ شرک صرف یہی نہیں کہ پتھر یا لکڑی کے بت بنا کر ان کی پوجا کی جائے بلکہ یہ بھی شرک ہے کہ ہر چھوٹی بڑی حاجت پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے لو لگائی جائے۔ ہر مشکل میں اللہ تعالیٰ ہی کو قادر مطلق اور مسبب الاسباب سمجھ کر اسی کے فضل و کرم سے اپنی مجبوریوں کا حل تلاش کرنا چاہیے۔ بے شمار مسلمان ایسے ملتے ہیں جو زبانی طور پر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، لیکن عملاً اپنی اولاد، روزگار، صحت اور دیگر مسائل کو انسانوں کے سامنے اسی عاجزی اور امید سے پیش کرتے ہیں جس کا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ حق دار ہے۔

انسان کی اس کمزوری کا بیان اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ؕ ﴿۷۴﴾ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ○ (سورۃ یٰسٓ: ۷۴، ۷۵)

ترجمہ: اور پکڑتے ہیں اللہ کے سوائے اور حاکم کو شاید ان کی مدد کریں نہ کر سکیں گے ان کی مدد اور وہ ان کے حق میں ایک فریق ہو جائیں گے لا حاضر کیے ہوئے۔

دوسری جگہ فرمایا:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ (سورۃ الملک: ۲۱)

ترجمہ: بھلا وہ کون ہے جو روزی دے تم کو اگر اللہ اپنی روزی بند کرے۔

انسانی زندگی پر عقیدہ توحید کے اثرات: توحید سے انسان کے فکر و عمل اور شخصیت میں نمایاں اور انقلابی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

ا۔ عزتِ نفس: عقیدہ توحید انسان کو عزتِ نفس عطا کرتا ہے۔ انسان جب یہ یقین کرلیتا ہے کہ اس کا خالق و مالک اللہ ہے۔ وہی طاقت کا سرچشمہ ہے اور وہی قادر مطلق ہے تو اس عقیدہ کی روشنی میں انسان صرف اللہ کے سامنے جھکتا ہے اور اسی سے ڈرتا ہے۔ اب اس کی پیشانی انسانوں یا پتھر کی بے جان مورتیوں کے سامنے جھکنے کی ذلت سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۲۔ انکسار: عقیدہ توحید سے تواضع و انکسار پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ توحید کا پرستار جانتا ہے کہ وہ اللہ کے سامنے بے بس ہے، اس کے پاس جو کچھ ہے سب اس کا دیا ہوا ہے۔ جو خدا تعالیٰ دینے پر قادر ہے وہ چھین لینے پر بھی قادر ہے۔ للٰذا بندے کے لیے تکبر و غرور کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسے تواضع و انکسار ہی زیب دیتا ہے۔

۳۔ وسعتِ نظر: عقیدہ توحید کا قائل تنگ نظر نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس رحمٰن اور رحیم پر ایمان رکھتا ہے جو کائنات کی ہر چیز کا خالق اور سب جہانوں کا پالنے والا ہے۔ اس کی رحمتوں سے سب فیض یاب ہوتے ہیں۔ اس عقیدے کے نتیجہ میں مومن کی ہمدردی، محبت اور خدمت عالمگیر ہو جاتی ہے اور وہ ساری خلق خدا کی بہتری کو اپنا نصب العین بنالیتا ہے۔

۴۔ استقامت و بہادری: اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے استقامت اور بہادری پیدا ہوتی ہے۔ مومن جانتا ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور محتاج ہے۔ خدا تعالیٰ ہی کو سب پر قدرت حاصل ہے۔ لہٰذا اسی کے سامنے جھکنا چاہیے اور اسی سے ڈرنا چاہیے۔ اس عقیدے کے ذریعے مومن کے دل سے دوسروں کا خوف نکل جاتا ہے اور وہ استقامت و بہادری کی تصویر بن جاتا ہے اور کسی بڑے سے بڑے فرعون کا خوف اپنے دل میں نہیں لاتا۔ خواہ بدر و احد کی لڑائی ہو یا حنین و خندق کی، وہ ہر جگہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمزدہ ہوتے ہیں) کا پیکر بن جاتا ہے۔

۵۔ رجائیت اور اطمینانِ قلب: عقیدہ توحید کا ماننے والا مایوس اور ناامید نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت خدا تعالیٰ کی رحمت پر آس لگائے رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ بڑا رحیم و کریم ہے۔ وہ تمام خزانوں کا مالک ہے اور اس کا فضل و کرم بے حد و حساب ہے۔ انسان جس قدر دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے اس کے دل کو اتنا ہی اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

۶۔پرہیزگاری: عقیدہ توحید سے انسان کے دل میں پرہیزگاری پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر مومن کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے۔ اگر بندہ پوشیدگی میں کوئی جرم کر لے تو ممکن ہے لوگوں کی نگاہوں سے چھپ جائے مگر اپنے اللہ کی نظر سے نہیں چھپ سکتا۔ کیونکہ وہ تو دلوں کے ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ یہ ایمان انسان میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ وہ خلوت و جلوت میں کہیں بھی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور ہمیشہ نیک اعمال بجالائے، کیونکہ معاشرہ اسی وقت صحیح معنوں میں انسانی معاشرہ بن سکتا ہے جب لوگوں کے اعمال درست ہوں۔ توحید پر ایمان، عمل صالح کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ کیونکہ انسان کے تمام اعمال اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر دل میں ایمان کی روشنی موجود ہو تو عمل صالح ہوگا۔

نجات و فلاح کے لیے ایمان اور عمل صالح دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جابجا ارشاد ہوا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

(جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے) جس طرح کوئی درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اسی طرح ایمان کی پہچان عمل صالح سے ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتا ہے مگر اس کے اعمال اچھے نہیں تو یہی سمجھا جائے گا کہ ایمان نے اس کے دل کی گہرائیوں میں پوری طرح جگہ نہیں بنائی۔ غرضیکہ عقیدہ توحید اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ نیک اعمال بجالائے جائیں اور برے اعمال سے بچا جائے۔

رسالت

رسالت کا مفہوم

اسلام کے سلسلہ عقائد میں توحید کے بعد رسالت کا درجہ ہے۔ رسالت کے لغوی معنی ہیں "پیغام پہنچانا" اور پیغام پہنچانے والے کو رسول کہا جاتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں رسول اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اپنی مخلوق کی طرف بھیجا ہو۔ رسول کو نبی بھی کہا جاتا ہے۔ نبی کے معنی ہیں "خبر دینے والا" چونکہ رسول لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے آگاہ کرتا ہے اس لیے اسے نبی بھی کہا جاتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور رسول اپنے معاشرہ کے بے حد نیک اور پارسا انسان ہوتے ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے اپنے احکام نازل فرماتا ہے۔ وحی کے لغوی معنی دل میں چپکے سے کوئی بات ڈالنا اور اشارہ کرنے کے ہیں اور اسلامی اصطلاح میں اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام ہے جو اس نے اپنے کسی رسول کی طرف فرشتے کے ذریعے نازل کیا۔ یا براہ راست اس کے دل میں ڈال دیا۔ یا کسی پردے کے پیچھے سے اسے سنوا دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ (سورۃ الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ: اور یہ کسی بشر کا مقام نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے۔ مگر ہاں یا تو وحی سے یا کسی پردے کے پیچھے سے یا کسی (فرشتے) قاصد کو بھیج دے سو وہ وحی پہنچادے اللہ کے حکم سے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی مختلف اقوام کی طرف رسول بھیجے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (سورۃ النحل:۳۶)

ترجمہ: اور ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول۔

بعض روایات میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ مگر قرآن مجید میں نام لے کر صرف چند انبیاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام کے نام نہیں بیان کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ (سورۃ المومن:۷۸)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بہت سے رسول بھیجے۔ جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپ ﷺ سے بیان کیا ہے اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ ﷺ سے نہیں بیان کیا۔

سلسلہ انبیاء کے آخری فرد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو خاتم النبیین ہیں اور اب قیامت تک کے انسانوں کو آپ ﷺ ہی کی پیروی کرنی ہے۔ تاہم ہر مسلمان پر لازم کیا گیا ہے کہ وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت پر ایمان لائے۔ اس سلسلے میں تفریق کی اجازت نہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ (سورۃ البقرۃ:۲۸۵)

ترجمہ: ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق بھی نہیں کرتے۔

یہ ضروری ہے کہ سب انبیاء کرام علیہم السلام کو سچا اور پاکباز مانا جائے اور سب کا ادب و احترام کیا جائے۔ اسلام میں اس بات کی ہرگز اجازت نہیں کہ بعض رسولوں پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔ ایسا کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ

یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ (سورۃ النساء: ۱۵۰، ۱۵۱)

ترجمہ: جو لوگ منکر ہیں اللہ سے اور اس کے رسولوں سے اور چاہتے ہیں کہ فرق نکالیں اللہ میں اور اس کے رسولوں میں اور کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ۔ ایسے ہی لوگ تو اصل کافر ہیں۔

رسول کی ضرورت: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انسانوں ہی میں سے رسول بھیجے۔ کیونکہ انسان کی رہنمائی کے لیے انسان ہی رسول ہو سکتا ہے۔ پیغام الٰہی کو نبی ﷺ پر نازل کرنے کی حکمت مندرجہ ذیل آیت میں ملاحظہ ہو۔

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (سورۃ النحل: ۴۴)

ترجمہ: اور اتاری ہم نے تجھ پر یہ یادداشت کہ تو کھول دے لوگوں کے سامنے وہ چیز جو اتری ان کے واسطے۔

حضور ﷺ کو خود اپنی زندگی میں قرآنی اصولوں پر مبنی ایک عملی مظاہرہ کرنا تھا۔ صرف یہی نہیں کہ آ کر پیغام سنا دیتے۔ بلکہ اس پیغام کے مطابق انسانی زندگی کی اصلاح بھی آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی۔ پیغام الٰہی فرشتوں کے ذریعے بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ مگر محض پیغام بھیجنے سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس عظیم مقصد کے لیے لازمی تھا کہ پیغام کو بنی نوع انسان ہی کا ایک فرد لے کر آئے جو کہ انسان کامل ہونے کے باوجود بہر حال انسان اور بشر ہو۔ اس کو مشکلات اور مجبوریوں کا اسی طرح سامنا کرنا پڑتا ہو جس طرح اس کی امت کے معمولی فرد کو اور جو ساری دنیا کے سامنے ایک ایسی سوسائٹی کو بطور مثال رکھ دے جس کا اجتماعی نظام اسی پیغام الٰہی کے منشا کی شرح ہے۔

انبیاء کی خصوصیات

انبیاء کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

ا۔ بشریت: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہبری کے لیے ہمیشہ کسی انسان کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا۔ کسی جن یا فرشتے کو نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ (سورۃ یوسف: ۱۰۹)

ترجمہ: اور جتنے بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے وہ سب مرد ہی تھے۔

انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ انسان ہوتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے اوصاف سے نوازا ہوتا ہے جو دوسروں میں نہیں ہوتے۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ انسان پیغمبر نہیں ہو سکتا۔ پیغمبر تو کوئی فرشتہ ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

قُلۡ لَّوۡ كَانَ فِى الۡاَرۡضِ مَلٰٓـئِكَةٌ يَّمۡشُوۡنَ مُطۡمَـئِنِّيۡنَ لَنَزَّلۡنَا عَلَيۡهِمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَـكًا رَّسُوۡلًا (سورۃ الاسراء: ۹۵)

ترجمہ: کہ اگر ہوتے زمین میں فرشتے پھرتے بستے تو ہم اتارتے ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ پیغام دے کر۔

۲۔امین: رسالت ایک ایسی نعمت ہے جو محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ کوئی شخص اپنی محنت و کاوش سے اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو محض عبادت و ریاضت سے حاصل ہو جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے دے دے۔

ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ (سورۃ **الجمعة**: ۴)

ترجمہ: یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

تاہم منصب جن لوگوں کو عطا کیا گیا وہ تمام نیکی تقویٰ، ذہانت اور عزم و ہمت جیسی بلند صفات کے مالک تھے۔

۳۔ تبلیغ احکام الٰہی پیغمبر جو احکام و تعلیمات لوگوں کے سامنے بیان فرماتا ہے وہ تمام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پیغمبر اپنی طرف سے نہیں کہتا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ کا ترجمان ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔

وَ مَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى ؕ ۝ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى ۙ (سورۃ النجم: ۳،۴)

ترجمہ: اور نہیں بولتا اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا۔

۴۔ معصومیت: اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر معصوم اور گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ان کے اقوال اور اعمال شیطان کے عمل دخل سے محفوظ ہوتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کا کردار بے داغ ہوتا ہے۔ وہ ایسا انسان کامل ہوتا ہے جو بے حد روحانی طاقت کا مالک ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام کا کوئی کام نفسانی خواہشات کے تابع نہیں ہوتا۔

۵۔ واجب اطاعت: انبیاء کرام علیہم السلام کی اطاعت و پیروی ضروری ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ النساء: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس غرض سے کہ اس کی اطاعت اللہ کے حکم سے کی جائے۔

نبی اللہ کا راستہ دکھاتا ہے اس لیے اس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔اسی طرح پیغمبر کتاب اللہ کا شارح ہوتا ہے۔
امت کا معلم اور مربی ہوتا ہے۔امت کے لیے نمونہ تقلید ہوتا ہے۔ قانون الٰہی کا شارح ہوتا ہے اور قاضی اور حکم ہوتا ہے۔

رسالت محمد ﷺ اور اس کی خصوصیات

حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ خاتم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آکر اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے، نبی آخر الزمان ﷺ کی ذات میں وہ تمام شامل کر دیئے۔رسالت محمدی ﷺ بڑی نمایاں خصوصیات رکھتی ہے۔جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

۱۔عمومیت: رسول اکرم ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کسی خاص قوم یا ملک کے لیے ہوتی تھی مگر آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (سورۃ الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ: (اے محمد ﷺ) تو کہہ اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔

۲۔پہلی شریعتوں کا نسخ: حضور ﷺ کی شریعت نے آپ ﷺ سے پہلے آنے والے انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔اب صرف شریعت محمدی ﷺ پر عمل کیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ (ال عمران:۸۵)

ترجمہ: اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

۳۔کاملیت: حضور ﷺ پر اللہ کے دین کی تکمیل ہو گئی۔آپ ﷺ کو وہ دین کامل عطا فرمایا گیا جو تمام انسانیت کے لیے کافی ہے۔اس لیے کسی دوسرے دین کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (سورۃ المائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں پورا کر چکا تمہارے لیے دین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

۴۔ حفاظتِ کتاب: پہلے انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہونے والی کتابیں یا تو بالکل ناپید ہو چکی ہیں یا اپنی اصلی حالت میں باقی نہیں رہیں۔ کیونکہ ان میں بڑے پیمانے پر ردوبدل ہو چکا ہے۔ جس سے ان کتابوں میں صحیح اور غلط تعلیمات اس قدر گڈ مڈ ہو گئی ہیں کہ صحیح کو غلط سے جدا کرنا بے حد مشکل ہو گیا ہے۔ مگر خاتم الرسل ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کی آیات چودہ سو سال گزرنے کے باوجود بالکل اسی صورت میں موجود ہیں جس طرح نازل ہوئی تھیں۔ اس کے ایک حرف میں بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ قرآن مجید نہ صرف یہ کہ تحریری طور پر محفوظ ہے بلکہ لاکھوں انسانوں کے سینوں میں بھی موجود ہے۔

۵۔ سنتِ نبوی ﷺ کی حفاظت: اللہ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کی سنت کی حفاظت کا بھی عظیم انتظام کیا گیا ہے۔ ہر دور میں محدثین کرام کی ایسی جماعت موجود رہی جس نے سنت نبوی ﷺ کی حفاظت کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ چونکہ سنت، قرآن مجید کی شرح ہے جو قیامت تک کے انسانوں کے لیے سرچشمہ ہدایت ہے۔ اس لیے اللہ نے جس طرح قرآن مجید کی حفاظت کا انتظام کیا۔ ساتھ ساتھ سنت نبوی ﷺ کی حفاظت کا انتظام بھی فرما دیا۔

۶۔ جامعیت: پہلے انبیاء کی رسالت کسی خاص قوم اور زمانہ کے لیے ہوتی تھی۔ اس لیے ان کی تعلیمات کا تعلق اسی قوم اور زمانہ سے ہوتا تھا۔ مگر رسول اکرم ﷺ چونکہ تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے رسول بن کر آئے۔ اس لیے آپ ﷺ کی تعلیمات میں اس قدر جامعیت ہے کہ قیامت تک کے انسان خواہ کسی بھی قوم یا زمانہ سے تعلق رکھتے ہوں ان تعلیمات سے رہبری حاصل کر سکتے ہیں۔

۷۔ ہمہ گیری: رسول اکرم ﷺ نے جو تعلیمات پیش فرمائیں ان کی حیثیت محض نظری نہیں۔ بلکہ خود ان پر عمل کر کے انہیں عملی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ جب آپ ﷺ کی حیات طیبہ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عائلی زندگی ہو یا سیاسی، بچوں سے برتاؤ ہو یا بڑوں سے معاملہ، امن کا دور ہو یا جنگ کا زمانہ، عبادت کی رسمیں ہوں یا معاملات کی باتیں، قرابت کے تعلقات ہوں یا ہمسائیگی کے روابط، زندگی کے ہر پہلو میں سیرت محمدی ﷺ انسانوں کے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ الاحزاب:۲۱)

ترجمہ: تمہارے لیے اللہ کے رسول (کی سیرت) میں بہترین نمونہ ہے۔

۸۔ ختم نبوت: ختم نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا، اور یکے بعد دیگرے کئی انبیاء کرام علیہم السلام آئے۔ کچھ کے پاس اپنی علیحدہ آسمانی کتابیں اور مستقل شریعتیں تھیں اور کچھ اپنے سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کی کتابوں اور شریعتوں پر عمل پیرا تھے۔ یہ سلسلہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر آ کر ختم ہو گیا۔ آپ ﷺ پر ایک جامع اور ہمیشہ

رہنے والی کتاب نازل ہوئی اور آپ ﷺ کو ایک کامل شریعت دی گئی۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ پر دین کی تکمیل ہوئی اور آپ ﷺ کی شریعت نے پہلی تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا۔ آپ ﷺ کے بعد اب کسی قسم کا کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا کیونکہ۔

1۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور قیامت تک ہر قوم اور ہر دور کے انسانوں کے لیے آپ ﷺ کی رسالت عام ہے اور سب کے لیے آپ ﷺ کی تعلیم کافی ہے۔

2۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر دین مکمل کر دیا۔ آپ ﷺ کی شریعت کامل ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات، ہدایت کی مکمل ترین شکل ہیں۔ اس لیے اب کسی دوسرے نبی کی کوئی ضرورت نہیں۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر نازل کردہ کتاب قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ کتاب چودہ سو سال گزرنے کے باوجود اس شان سے محفوظ ہے کہ اس کے ایک حرف میں بھی کوئی ردوبدل نہیں ہو سکا۔ اس کتاب کا ایک ایک حرف محفوظ ہے۔ کاغذ کے صفحات پر بھی اور حفاظ کے سینوں میں بھی۔ آپ ﷺ کی تمام تعلیمات اپنی صحیح شکل میں محفوظ ہیں جو تمام دنیا کے لیے ہدایت کا سرچشمہ ہیں۔ اس لیے آپ ﷺ کے بعد کوئی اور نبی نہیں آسکتا۔ اب ہر طالب ہدایت پر لازم ہے کہ حضرت خاتم المرسلین ﷺ پر ایمان لائے اور آپ ﷺ ہی کے بتائے ہوئے طریقے پر چلے۔

عقیدہ ختم نبوت، قرآن و حدیث اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ (سورۃ الاحزاب: ۴۰)

ترجمہ: محمد ﷺ باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے لیکن اللہ کا رسول ہے اور آخری نبی ہے۔

عربی زبان میں ختم کے معنی ہیں۔ مہر لگانا، بند کرنا، آخر تک پہنچانا، کسی کام کو پورا کر کے فارغ ہو جانا۔ تمام مفسرین نے اس آیت کریمہ میں خاتم کے معنی آخری نبی کے بیان کیے ہیں۔ حدیث مبارک میں ہے۔ ”رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بنی اسرائیل کی رہنمائی انبیاء کیا کرتے تھے۔ جب ایک نبی وفات پاجاتا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔“ ایک اور حدیث میں آتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میری اور مجھ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص نے عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی، مگر ایک کنارے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی اور وہ اینٹ میں ہوں۔“

تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس بات پر اجماع تھا کہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے منکرین کے خلاف جہاد کیا۔

ملائکہ

ملائکہ کا لفظ جمع ہے اس کا واحد ''ملک'' کے لغوی معنی قاصد کے ہیں۔ فرشتوں کے لیے لفظ رسول بھی استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ اس کے لغوی معنی بھی قاصد کے ہیں۔ چونکہ فرشتے خالق اور مخلوق کے درمیان پیغام رسانی کا فرض ادا کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو ملک اور رسول کہا جاتا ہے۔ توحید و رسالت کی طرح فرشتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ

(سورۃ البقرۃ:۱۷۷)

ترجمہ: لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر۔

فرشتے اللہ تعالیٰ کی وہ نوری مخلوق ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دنیا کا نظام چلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنا حکم ان کے دل میں القاء فرماتا ہے اور وہ اس حکم کو مخلوق میں جاری اور نافذ کر دیتے ہیں۔

آسمانی کتابیں

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تمام رسولوں پر ایمان لایا جائے۔ رسولوں پر ایمان لانے کا مفہوم یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا سچا پیغمبر مانا جائے اور ان کی تعلیمات کو برحق تسلیم کیا جائے۔ رسولوں پر نازل ہونے والی کتابیں، ربانی تعلیمات کا مجموعہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا رسولوں پر ایمان لانے کے لیے لازم ہے کہ ان پر نازل ہونے والی کتابوں پر بھی ایمان لایا جائے۔ ایمان والوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ (سورۃ البقرۃ:۴)

ترجمہ: اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے۔

آسمانی کتابیں تو بہت سی ہیں جن میں سے چار بہت مشہور ہیں۔

۱۔ زبور جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

۲۔ توریت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

۳۔ انجیل جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

۴۔ قرآن مجید جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

ان کے علاوہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت آدم علیہ السلام اور دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کے صحیفے بھی تھے۔ان تمام کتابوں میں دین کی بنیادی باتیں مشترک تھیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید،اس کی صفات کاملہ،اللہ تعالیٰ کی عبادت،رسالت پر ایمان، یوم آخرت پر ایمان اور اعمال کی جزاو سزا مگر چونکہ ہر دور میں وقت کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں اس لیے شریعت کے تفصیلی قوانین ان کتابوں میں جدا جدا تھے۔ بعد میں آنے والی کتابوں میں پہلی کتابوں کے تفصیلی قوانین کو منسوخ کردیا اور اب صرف قرآن کے بتائے ہوئے قوانین پر عمل کرنالازم ہے پہلی کتابوں کے بتائے ہوئے قوانین پر نہیں۔ پہلی کتابوں پر ایمان لانے کا اب مطلب یہ ہے کہ وہ بھی سچی کتابیں تھیں اور ان کے بیان کردہ قوانین پر اُن کے زمانے میں عمل کرنا ضروری تھا۔ مگر اب صرف قرآنی ہدایات ہی پر عمل کیا جائے گا۔

قرآن کی اہم خصوصیات

قرآن مجید کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ آخری آسمانی کتاب: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور قیامت تک کے تمام انسانوں کے لیے یہ سرچشمہ ہدایت ہے۔

۲۔ محفوظ کتاب: چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے ہر دور اور ہر قوم کے انسانوں کے لیے رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا خاص وعدہ فرمایا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (سورۃ الحجر:۹)

ترجمہ: ہم نے خود اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قرآن مجید کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔اللہ کی طرف سے اس کی حفاظت کا ایسا انتظام کردیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تحریف (ردو بدل) سے محفوظ ہو گیا ہے۔جب کہ دوسری آسمانی کتابوں میں بڑا ردو بدل ہو چکا ہے۔ان کا بہت سا حصہ ضائع ہو چکا ہے اور جو باقی بچا اس میں لوگوں نے اپنی طرف سے کئی باتیں شامل کردیں۔اب یہ کتابیں کہیں بھی اپنی اصلی شکل میں دستیاب نہیں۔جب کہ قرآن مجید اپنی خالص شکل میں اب بھی موجود ہے اور ہمیشہ موجود رہے گا۔

۳۔ زندہ زبان والی الہامی کتاب: قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا وہ ایک زندہ زبان ہے۔ آج بھی دنیا کے بیس سے زیادہ ممالک کی قومی زبان عربی ہے اور یہ زبان دنیا کی چند بڑی زبانوں میں سے ایک ہے۔ جب کہ پہلی آسمانی کتابیں جن زبانوں میں نازل ہوئیں وہ

مردہ ہو چکی ہیں۔ جن کو سمجھنے والے بہت ہی کم لوگ ہیں۔

۴۔ عالمگیر کتاب: باقی آسمانی کتابوں کے مطالعے سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ صرف کسی ایک خاص ملک یا خاص قوم کے لوگوں کے لیے تھیں۔ مگر قرآن مجید ساری دنیائے انسانیت کے لیے پیغام ہدایت ہے۔ یہ کلام پاک **یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ** (اے لوگو) کا خطاب کر کے تمام انسانوں کو ہدایت کا پیغام دیتا ہے۔ یہ عالمگیر کتاب ہے۔ جس کی تعلیمات ہر دور اور ہر ملک میں قابل عمل ہیں۔

اس کتاب کی تعلیمات فطری ہیں اس کو ہر دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے یہ اسی کے دور کے لیے نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کی تعلیمات ہر قوم و ملک اور ہر طرح کے ماحول میں بسنے والے افراد کے لیے یکساں طور پر نفع بخش ہیں اور انسانی عقل کے عین مطابق ہیں۔

۵۔ جامع کتاب: پہلی آسمانی کتابوں میں سے کچھ کتابیں صرف اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تھیں۔ بعض صرف مناجات اور دعاؤں کا مجموعہ تھیں۔ کچھ صرف فقہی مسائل کا مجموعہ تھیں۔ بعض میں صرف عقائد کا بیان تھا اور بعض صرف تاریخی واقعات کا مجموعہ تھیں مگر قرآن مجید ایسی جامع کتاب ہے جس میں ہر پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں عقائد و اعمال کا بیان بھی ہے، اخلاق و روحانیت کا درس بھی ہے، تاریخی واقعات بھی ہیں اور مناجات بھی۔ غرضیکہ یہ ایک ایسی جامع کتاب ہے جو زندگی کے ہر پہلو میں رہنمائی کرتی ہے۔

۶۔ عقل و تہذیب کی تائید کرنے والی کتاب: پہلی آسمانی کتابوں میں سے بعض کتابیں ایسی باتوں پر مشتمل ہیں جو حقیقت کے خلاف ہیں بلکہ بعض کتابوں میں انتہائی ناشائستہ، غیر اخلاقی باتیں بھی پائی جاتی ہیں۔ (ظاہر ہے یہ باتیں جعلی ہیں جو کسی نے اپنی طرف سے شامل کر دی ہیں جب کہ قرآن مجید ایسی تمام باتوں سے پاک ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو خلاف عقل ہو اور جسے تجربہ اور دلیل سے غلط ثابت کیا جاسکے۔ اس میں کوئی غیر اخلاقی بات نہیں۔ اس نے تمام انبیاء کا ادب و احترام سکھایا اور سب کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ نیک وکار اور پرہیز گار لوگ تھے۔ ان کی شان کے خلاف جتنی بھی باتیں کہی گئی ہیں، سب جھوٹ اور خلاف واقعہ ہیں۔

۷۔ کتاب اعجاز: قرآن مجید فصاحت و بلاغت کا وہ شاہکار ہے جس کا مقابلہ کرنے سے عرب و عجم کے تمام فصیح و بلیغ لوگ عاجز رہے۔ قرآن مجید میں سب مخالفوں کو دعوت دی گئی ہے کہ ایک چھوٹی سی قرآنی سورت کے مقابلے میں کوئی سورت بنالاؤ مگر کوئی بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ تو خدا کا کلام ہے کسی بندے کا بنایا ہوا کلام نہیں۔ پھر کوئی بشر اس کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟

آخرت

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ آخرت بھی ہے۔

مفہوم: لفظ ''آخرت'' کے معنی بعد میں ہونے والی چیز کے ہیں۔ اس کے مقابلے میں لفظ ''دنیا'' ہے جس کے معنی قریب کی چیز کے ہیں۔ عقیدہ آخرت کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کی روح باقی رہتی ہے اور

ایک وقت ایسا آئے گا جب اللہ تعالیٰ اس کی روح کو جسم میں منتقل کر کے اسے دوبارہ زندہ کر دے گا اور پھر انسان کو اس کے نیک و بد اعمال کا حقیقی بدلہ دیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو ایک ایسی جگہ عنایت کی جائے گی جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرپور ہو گی۔ اس کا نام جنت ہے اور برے لوگ ایک انتہائی اذیت ناک جگہ میں رہیں گے جس کا نام جہنم ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ﴿۱۳﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ ﴿۱۴﴾ (سورۃ انفطار: ۱۳، ۱۴)

ترجمہ: بے شک نیک لوگ بہشت میں ہیں اور بے شک گناہ گار دوزخ میں ہیں۔

آخرت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے۔

۱۔ انسان کی دنیاوی زندگی اس کی آخرت کی زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ دنیا کی زندگی عارضی اور آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ انسان کے تمام اعمال کے پورے پورے نتائج اس عارضی زندگی میں مرتب نہیں ہوتے۔ بلکہ اس عارضی زندگی میں جن اعمال کا بیج بویا جاتا ہے ان کے حقیقی نتائج آخرت کی زندگی میں ظاہر ہوں گے۔

۲۔ جس طرح دنیا کی ہر چیز علیحدہ علیحدہ اپنی ایک عمر رکھتی ہے جس کے ختم ہوتے ہی وہ چیز ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح پورے نظام عالم کی بھی ایک عمر ہے جس کے تمام ہوتے ہی یہ نظام ختم ہو جائے گا اور ایک دوسرا نظام اس کی جگہ لے لے گا۔

۳۔ جب دنیا کا یہ نظام درہم برہم ہو جائے گا اور ایک دوسرا نظام قائم ہو گا تو انسان کو پھر جسمانی زندگی ملے گی۔ اس روز ایک زبردست عدالت لگے گی جس میں انسان کے تمام اعمال کا حساب لیا جائے گا۔ اسے نیک اعمال کی جزا ملے گی اور برے اعمال کی سزا ملے گی۔

منکرین آخرت کے شبہات اور ان کا قرآنی جواب

قرآن مجید میں عقیدہ آخرت کو بیان کرتے ہوئے منکرین کے شبہات کا بڑے عمدہ انداز میں جواب دیا گیا ہے۔

مشرکین مکہ عقیدہ آخرت کے منکر تھے۔ اس سلسلے میں ان کے شبہات یہ تھے۔

وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِی الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۬ؕ (سورۃ السجدہ: ۱۰)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم زمین میں نیست و نابود ہوں گے تو کیا کہیں پھر ہم نئے جنم میں آئیں گے۔

مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ (سورۃ یٰس: ۷۸)

ترجمہ: کون زندہ کرے گا ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں۔

اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ (سورۃ الانعام:۲۹)

ترجمہ: ہمارے لیے زندگی نہیں مگر یہی دنیا کی اور ہم کو پھر نہیں زندہ ہونا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہات کو دور کرتے ہوئے فرمایا۔ تم پہلے موجود نہ تھے۔ تمہیں اللہ نے موجود کیا۔ جو قادر مطلق تمہیں پہلے موجود کرنے پر قادر ہے وہ تمہارے مر جانے کے بعد تمہیں دوبارہ زندگی بخشنے پر بھی قادر ہے

وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ (سورۃ الروم:۲۷)

ترجمہ: اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ (سورۃ یٰسین:۷۹)

ترجمہ: تو کہہ ان کو زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار۔

كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ:۲۰)

ترجمہ: حالانکہ تم بے جان تھے پھر جلایا تم کو پھر مارے گا تم کو پھر جلائے گا تم کو پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

انسان کی صحیح سوچ اس سے عقیدہ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا کرتی ہے۔ ہر شخص اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ نیک عمل کا اچھا صلہ اور برے عمل کا برا بدلہ ہوتا ہے لیکن کیا انسان کے تمام اعمال کے نتائج اس دنیاوی زندگی میں سامنے آ جاتے ہیں؟ ایسا نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات ایک ایسا شخص جس نے پوری زندگی گناہوں میں گزاری ہو اس جہان میں سزا سے بچا رہتا ہے۔ اسی طرح بعض بے حد نیک لوگ جو عمر بھر نیکیاں کرتے رہے انہیں یہاں نیکی کا پورا بدلہ نہ ملا بلکہ بعض کو تو بے حد اذیتیں دے کر شہید کر دیا گیا۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کیا مجرموں کو ان کے جرائم کی سزا کبھی نہیں ملے گی؟ کیا نیک و کار اچھے اجر سے محروم رہیں گے؟ کیا خدا کا نظام عدل ان کے بارے میں ہمیشہ کے لیے خاموش رہے گا؟ کیا اشرف المخلوقات انسان کو عبث پیدا کیا گیا اور اس کے اعمال کی قدر و قیمت نہیں؟

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ (سورۃ المومنون:۱۱۵)

ترجمہ: سو کیا تم خیال رکھتے ہو کہ ہم نے تم کو بنایا بے مقصد اور تم ہمارے پاس پھر کر نہ آؤ گے۔

جب عقل اس پہلو پر سوچتی ہے تو یہ بات تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے کہ آخرت کی زندگی برحق ہے جس میں سب لوگوں کو ان کے اعمال کی جزاو سزا ملے گی۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ ملے گا اور مجرموں کو سخت سزا ملے گی۔ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دے۔

اسلام میں عقیدہ آخرت کی اہمیت: آخرت پر ایمان رکھنا اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے۔ قرآن مجید میں اس کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔

سورہ بقرہ میں مُتَّقِیْن کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد ہوا۔

وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ

ترجمہ: اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

اگر آخرت پر ایمان نہ ہو تو انسان خود غرضی اور نفس پرستی میں ڈوب کر تہذیب و شرافت اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو یکسر بھول جائے انسانی معاشرے میں جنگ کا قانون رائج ہو جائے۔

عقیدہ آخرت انسانی معاشرہ کو انسانیت افروز بنانے کا اہم ذریعہ ہے۔ کیونکہ اس سے انسان کے دل میں نیکی پر جزا اور بدی پر سزا کا احساس ابھرتا ہے۔ جو اعمال میں صالحیت پیدا کرتا ہے۔

جو شخص آخرت کی زندگی پر ایمان رکھتا ہے اس کی نظر اپنے اعمال کے صرف ان ہی نتائج پر نہیں ہوتی جو اس زندگی میں ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وہ ان نتائج پر بھی نظر رکھتا ہے جو آخرت کی زندگی میں ظاہر ہوں گے اسے جس طرح زہر کے بارے میں ہلاک کرنے اور آگ کے بارے میں جلانے کا یقین ہوتا ہے۔ اسی طرح گناہوں کے ہلاکت خیز ہونے کا بھی یقین ہو جاتا ہے اور جس طرح وہ غذا اور پانی کو اپنے لیے مفید سمجھتا ہے اسی طرح نیک اعمال کو بھی اپنے لیے نجات و فلاح کا سبب سمجھتا ہے۔ عقیدہ آخرت کے انسانی زندگی پر بڑے اہم اثرات مرتب ہوتے ہی جن میں سے چند یہ ہیں۔

1۔ نیکی سے رغبت اور بدی سے نفرت: جو شخص آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ اس کے تمام اعمال خواہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اس کے نامہ اعمال میں محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔ آخرت میں یہی نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو گا اور منصف حقیقی فیصلہ فرمائے گا۔ ان اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ ایک پلڑے میں نیک اعمال اور دوسرے میں برے اعمال ہوں گے۔ اگر نیکی کا پلڑا بھاری ہوا تو کامیابی حاصل ہو گی، اور جنت میں ٹھکانہ نصیب ہو گا اور اگر برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو ناکامی ہو گی اور جہنم کا دردناک عذاب چکھنا ہو گا۔

آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص برائیوں سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ کیونکہ اسے علم ہوتا ہے کہ ان کے نتیجہ میں وہ عذاب میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ اسے نیکیوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اسے نیکی کا اجر ضرور ملے گا۔

۲۔ بہادری اور سرفروشی: ہمیشہ کے لیے مٹ جانے کا ڈر انسان کو بزدل بنا دیتا ہے۔ مگر جب دل میں یہ یقین موجود ہو کہ اس دنیا کی زندگی چند روزہ ہے۔ پائیدار اور دائمی زندگی آخرت کی ہے تو انسان، نڈر ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے سے بھی نہیں کتراتا۔ وہ جانتا ہے کہ راہ حق میں جان کا نذرانہ پیش کر دینے سے وہ ہمیشہ کے لیے فنا نہیں ہو جائے گا۔ بلکہ آخرت کی کامیاب اور

پر مسرت زندگی حاصل کرے گا۔ چنانچہ یہ عقیدہ مومن کے دل میں جذبہ سرفروشی پیدا کر کے معاشرے میں امن اور نیکی کے پھیلنے کی راہیں ہموار کر دیتا ہے۔

۳۔ صبر و تحمل: عقیدہ آخرت سے انسان کے دل میں صبر و تحمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ حق کی خاطر جو بھی تکلیف برداشت کی جائے گی اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ملے گا۔ لہٰذا آخرت پر نظر رکھتے ہوئے وہ ہر مصیبت کا صبر و تحمل سے مقابلہ کرتا ہے۔

۴۔ مال خرچ کرنے کا جذبہ: عقیدہ آخرت انسان کے دل میں یہ جذبہ پیدا کرتا ہے کہ حقیقی زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔ لہٰذا اسی دولت سے لگاؤ رکھنا چاہیے جو اس زندگی کو کامیاب بنائے۔ چنانچہ مومن جتنا بھی دولت مند ہو جاتا ہے اسی قدر زیادہ سخاوت اور فیاضی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے اس کی آخرت کی زندگی سنور جائے گی۔

۵۔ احساس ذمہ داری: آخرت پر ایمان رکھنے سے انسان میں احساس ذمہ داری پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرنا جرم ہے۔ جس پر آخرت میں سزا ملے گی۔ لہٰذا پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض ادا کیے جائیں۔ آہستہ آہستہ یہ احساس اس قدر پختہ ہو جاتا ہے کہ انسان اپنا ہر فرض پوری دیانت داری سے سرانجام دینے لگتا ہے خواہ اس کا تعلق بندوں کے حقوق سے ہو یا اللہ کے حقوق سے یہی احساس ذمہ داری مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے۔

سوالات

۱۔ اسلام کے بنیادی عقائد کون کون سے ہیں۔ ہر ایک پر مختصر نوٹ لکھیں۔

۲۔ وجود باری تعالیٰ کے اثبات میں قرآنی دلائل مختصراً لکھیے۔

۳۔ شرک کسے کہتے ہیں اور اس کی اقسام کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟

۴۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی خصوصیات بیان کریں۔

۵۔ مندرجہ ذیل پر مختصر نوٹ لکھیں۔

(ا)۔ ملائکہ (ب)۔ آسمانی کتابیں (ج)۔ توحید کا مفہوم

۶۔ انسانی زندگی پر عقیدۂ توحید کے اثرات بیان کریں۔

۷۔ رسالت محمدی ﷺ کی خصوصیات تفصیل سے بیان کریں۔

۸۔ قرآن مجید کی چند اہم خصوصیات لکھیں۔

۹۔ آخرت کے سلسلہ میں قرآن مجید کی تعلیمات کا خلاصہ تحریر کریں۔

۱۰۔ انسانی زندگی پر عقیدہ آخرت کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

باب دوم

اسلامی تشخص

ارکانِ اسلام

ارکان اسلام سے مراد دین کے وہ بنیادی اصول و اعمال ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

''بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَھَادَۃِ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّآ اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ وَالْحَجِّ وَصَوْمِ رَمَضَانَ'' (بخاری۔ مسلم)

ترجمہ: اسلام کی عمارت پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے، اس بات کی شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

کلمہ شہادت: ارکان دین میں سب سے اہم کلمہ شہادت ہے جس کے الفاظ ہیں۔

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے (آخری) رسول ہیں۔

توحید کے باب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ عقیدہ توحید کے انسانی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہاں چند اجمالی اشارات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کفر و شرک سے نجات: کلمہ شہادت کا پہلا حصہ یعنی اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عقیدہ توحید کا ہی اعلان و اعتراف ہے۔ کلمہ شہادت کا دوسرا حصہ یعنی اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

اس امر کا اعلان ہے کہ حضرت محمد ﷺ خداوند قدوس کے بندے اور سچے رسول ہیں اور آپ ﷺ کا پیش کردہ دین ہی دین حق ہے۔ ان دونوں باتوں کی گواہی دیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔ گو بظاہر توحید و رسالت دو باتیں ہیں، لیکن دراصل دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ نہ اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر کوئی شخص رسول ﷺ کو مان سکتا ہے اور نہ رسول ﷺ کو تسلیم کیے بغیر اللہ تعالیٰ کو پہچان سکتا ہے۔ چونکہ رسول ﷺ پر ایمان لانے کے مفہوم میں ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کو تسلیم کرنا شامل ہے۔ اس بنا پر یہ ایک کلمہ پڑھ لینے سے ذہن انسانی کو کفر و شرک کے تمام تصورات سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

حقیقی گواہی: اللہ کو معبود اور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اس کا آخری نبی تسلیم کر لینے سے گواہی کی ظاہری طور پر ادائیگی ہو جاتی ہے لیکن اس زبانی گواہی کے ساتھ ضروری ہے کہ کلمہ پڑھنے والے کا دل اس گواہی کی تصدیق کرے اور دل کی تصدیق کی عملی صورت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ ایسی اطاعت کہ دل کی تمام خواہشات شریعت اسلامی کے تابع ہو جائیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ"

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے دل کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔

انسانی عظمت کا ضامن عقیدہ: اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جب مسلمانوں نے اپنے قول و عمل سے توحید و رسالت کی گواہی دی اور اپنے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں شریعت اسلامی کی کماحقہ پیروی کا اہتمام کیا تو وہ انسانی عظمت کی بلندیوں پر جا پہنچے لیکن جب یہ گواہی دلی تصدیق اور عملی اطاعت سے محروم رہ گئی، تو ہماری عزت و عظمت خاک میں مل گئی۔

نماز: اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے۔ وہ اپنے پیروکاروں کو چند اعتقادات ہی دے دینے پر اکتفا نہیں کرتا۔ بلکہ ان کی پوری زندگی کو ان اعتقادات کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے عبادات کا ایک نظام مقرر کرتا ہے۔ جو نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے اور سب سے اہم جز، نماز کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں سے ایک ارشاد ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ (سورۃ الروم: ۳۱)

ترجمہ: قائم رکھو نماز اور مت ہو شرک کرنے والوں میں۔

نبی کریم ﷺ کی بہت سی احادیث، نماز کی تاکید پر مشتمل ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے۔

رَأْسُ الْاَمْرِ الْاِسْلَامُ وَعُمُوْدُہُ الصَّلٰوۃُ

ترجمہ: دین کی اصل بنیاد خدا اور رسول کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہے اور اس عمارت کا ستون نماز ہے۔

نماز کی تاکید: نماز چونکہ دینی تربیت کا اہم ترین حصہ ہے اس لیے ہر امت پر فرض رہی ہے۔ اور تمام انبیاء اپنی امتوں کو نماز کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ نماز قائم کرنے والے فلاح پائیں گے اور اسے ترک کرنے والے ذلت وخواری کا شکار ہوں گے۔ ایک آیت میں مذکور ہے کہ جب عذاب کے فرشتے جہنمیوں سے عذاب پانے کی وجہ دریافت کریں گے تو وہ اپنے جہنم میں پھینکے جانے کی ایک وجہ یہ بتائیں گے۔

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ (سورۃ المدثر: ۴۳)

ترجمہ: وہ بولے ہم نہ تھے نماز پڑھتے۔

دل و زبان سے اللہ کو معبود تسلیم کرنے کے بعد اس کے سب سے اہم حکم نماز کی ادائیگی سے انحراف ایک طریقے سے خدا تعالیٰ کو معبود ماننے سے انکار کے برابر ہے۔ اس لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ (ترمذی)

ترجمہ: جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی، اس نے کافرانہ روش اختیار کی۔

نماز قرب خداوندی کا سب سے موثر وسیلہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا صَلّٰى يُنَاجِيْ رَبَّهٗ (بخاری)

ترجمہ: جب تم سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو گویا اپنے رب سے چپکے چپکے بات چیت کرتا ہے۔

اسی اہمیت کے پیش نظر قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

اَوَّلُ مَا سُئِلَ، سُئِلَ عَنِ الصَّلٰوۃِ

ترجمہ: قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔

نماز کے فوائد:

۱۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے بندہ کی دن میں پانچ مرتبہ حاضری اس کے دل میں یہ احساس تازہ رکھتی ہے کہ وہ اپنے اللہ کا بندہ ہے۔ بندگی کا یہ احساس متواتر نماز پڑھنے سے ایک مسلمان کی فطرت ثانیہ بن جاتا ہے اور اس کی پوری زندگی تعمیل احکام کا عملی نمونہ بن جاتی ہے۔

۲۔ دن میں پانچ مرتبہ قرب خداوندی کا احساس مسلمان کو یقین دلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ساتھ ہے۔ یہ کبھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہونے کا احساس اسے گناہ کے کاموں سے روکتا اور اس کے دل سے ہر قسم کا خوف اور غم دور کرتا ہے۔

۳۔ نمازوں کے درمیانی وقفے میں بھی نمازوں کے اثرات جاری و ساری رہتے ہیں۔ نماز کے بعد گناہ کا خیال آئے تو بندہ سوچتا ہے کہ ابھی تو اپنے اللہ سے دعا کر کے آیا ہوں کہ اے اللہ مجھے "گناہوں سے بچا" اور ابھی گناہ کا کام کروں گا تو کچھ دیر بعد اس کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا۔ یہ چیز اسے مستقلاً گناہ سے روکے رکھتی ہے۔

۴۔ خدا تعالیٰ کی عبادت اور اس کی خوشنودی کے حصول کے سلسلے میں پانچ مرتبہ، باہم ملنے والے افراد کے درمیان محبت و یگانگت پیدا ہوتی ہے، جس سے سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔

۵۔ نماز باجماعت اور بطور خاص جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہوتا ہے۔ جب مسلمان رنگ، نسل، علاقے اور طبقے کے امتیازات سے بے نیاز ہو کر شانے سے شانہ ملا کر ایک امام کے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں، تو اس سے ان کے درمیان فکری وحدت کے ساتھ ساتھ عملی مساوات کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے۔

۶۔ اجتماعی شکل میں انجام پانے والے اعمال کی کیفیات، انفرادی اعمال کے مقابلے میں زیادہ موثر ہوتی ہیں۔ اسی لیے اجتماعی نماز کا ثواب انفرادی نماز کے مقابلے میں ستائیس گنا زیادہ ہوتا ہے۔

۷۔ نمازیوں کو مسجد میں آتے جاتے دیکھ کر بے نمازوں کو ترغیب و تحریص ہوتی ہے اور وہ بھی نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

۸۔ نماز میں امام کا تقرر اور اس کی پیروی، اجتماعی نظم و ضبط کا شعور پیدا کرتی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے نماز باجماعت کے لیے مسجد میں نہ پہنچنے والے افراد کے لیے فرمایا تھا کہ جو لوگ نماز کے لیے مسجد میں نہیں آتے اگر مجھے ان کے بیوی بچوں کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کے گھروں میں آگ لگوا دیتا۔

بے روح نمازیں: نماز کی ادائیگی کے متذکرہ بالا فوائد و ثمرات آج ہمیں کیوں حاصل نہیں ہوتے ؟ غور فرمائیے ! ہم میں سے کتنے افراد ہیں جو نماز باقاعدگی سے پڑھتے ہیں ؟اس کے کلمات واوراد کے معنی و مفہوم سے آشنا ہیں ؟ نماز میں حضوری قلب سے بہرہ مند ہیں ؟اور نماز کے اہم ترین مقصد سے بخوبی آگاہ ہیں ؟

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ ؕ (سورۃ العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز روکتی ہے۔بے حیائی اور بری بات سے۔

در حقیقت آج ہماری نمازیں بے مقصد ہیں۔ایسے ہی جیسے کوئی پھول ہو۔بغیر خوشبو کے ! یا قالب ہو بغیر روح کے۔

روزہ: روزہ دین اسلام کا بنیادی رکن ہے اور قرآن حکیم کے بیان کے مطابق یہ پہلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۙ (سورۃ البقرۃ:۱۸۳)

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیز گار ہو جاؤ۔

مذکورہ بالا آیت سے جہاں روزے کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں اس کو فرض کرنے کی حکمت بھی معلوم ہوتی ہے اور وہ ہے تقویٰ کا حصول۔

تقویٰ: تقویٰ کا مفہوم پرہیز گاری ہے۔تقویٰ دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان کو برائیوں سے روکتی اور نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے۔

ضبطِ نفس: انسان کو نیکی کے راستے سے روکنے ،اور برائی کے راستے پر ڈالنے والی اہم چیز خواہش نفس ہے۔خواہشات اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے تابع رہیں تو انسان کی انفرادی اور اجتماعی خوبیوں کے فروغ کا سبب بنتی ہیں۔لیکن جب یہ ہدایت ربانی کے تابع نہیں رہتیں تو انسان کو حیوانی سطح سے بھی گرا دیتی ہیں۔روزے کا اصل مقصد انسان کی خواہشات کو احکام الٰہی کے تابع کر کے اسے متقی بنانا ہے۔جو شخص ہر سال ایک مہینہ تک اللہ تعالیٰ کو خوشنودی کی خاطر اپنی بنیادی خواہشات پر قابو پانے کی مشق کامیابی سے مکمل کر لے ،اسے ضبط نفس کی وہ قوت حاصل ہو جاتی ہے۔جس سے وہ شیطان کی ہر ترغیب کا آسانی سے مقابلہ کر سکتا ہے۔

جب ایک انسان رمضان کے پورے مہینے کھانے ،پینے اور نفسانی خواہشات پر قابو رکھتا ہے نیز دیگر اخلاقی برائیوں سے اجتناب کرتے ہوئے اپنا اکثر وقت عبادات اور نیک کاموں میں گزارتا ہے تو اس کی طبیعت میں نیکی کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے اور بدی سے نفرت ہو

جاتی ہے روزہ خواہشات پر قابو پانے کی تربیت کے ساتھ ساتھ انسان کی انانیت (خود پسندی) کا بھی موثر علاج ہے۔ جب انسان بھوک اور پیاس کی شدت میں کھانے پینے کی اشیاء پاس ہوتے ہوئے بھی خود کو کھانے پر قادر نہیں پاتا تو اسے خدا تعالیٰ کے سامنے اپنی بے چارگی کا احساس ہوتا ہے اور یہ احساس جب دائمی کیفیت بن جائے تو اس میں ہر خلاف شریعت عمل سے رک جانے کی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے نبی اکرم ﷺ نے جہاں ارشاد فرمایا ہے ''ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے گئے روزوں سے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں'' وہاں یہ بھی فرمایا ہے ''بہت سے روزے دار ایسے ہیں جن کو اپنے روزوں سے بھوک اور پیاس کی اذیت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ۔

مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلُ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْٓ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَ شَرَابَهٗ (بخاری)

ترجمہ: اگر کوئی شخص روزہ رکھ کر بھی جھوٹ اور غلط کاریوں سے نہیں بچتا تو اس کا کھانا پینا چھڑانے سے اللہ کو کوئی دلچسپی نہیں۔

روزوں کا ثواب: جو روزے نبی اکرم ﷺ کے قول کے مطابق ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے جائیں ان کا ثواب کا اندازہ درج ذیل حدیثوں سے ہو گا۔

كُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ يُضَاعَفُ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِلَّا الصَّوْمُ فَاِنَّهٗ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ (مسلم)

ترجمہ: آدمی کے ہر عمل کا ثواب (اللہ تعالیٰ کے یہاں) دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک ہو جاتا ہے (لیکن روزے کی تو بات ہی کچھ اور ہے) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مگر روزہ تو خاص میرے لیے ہے اس لیے اس کا ثواب میں اپنی مرضی سے جتنا (چاہوں گا) دوں گا۔

مَنْ فَطَّرَ فِيْهِ صَآئِمًا لَهٗ كَانَ مَغْفِرَةٌ لِّذُنُوْبِهٖ وَعِتْقُ رَقَبَتِهٖ مِنَ النَّارِ وَكَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْتَقِصَ مِنْ اَجْرِهٖ شَيْئًا (سنن ابن ماجہ۔ ترمذی)

ترجمہ: جو شخص اس (رمضان) میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا اس کے گناہوں کے لیے معافی ہے اور وہ خود کو نار جہنم سے بچالے گا اور اسے روزے دار جتنا ہی ثواب ملے گا جب کہ اس روزدار کے اپنے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہو گی۔

روزہ کے اجتماعی فوائد: یوں تو روزہ ایک انفرادی عبادت ہے لیکن اس کے درج ذیل فوائد بھی ہیں۔

۱۔ مہینہ بھر بھوکا پیاسا رہ کر انسان کو دوسرے کی بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے اور دل میں ناداروں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ کم سے کم غذا پر اکتفا کی عادت، انسان میں قناعت وایثار کی صفات پیدا کرتی ہے۔

۳۔ ایک ہی وقت میں پوری ملت اسلامیہ کا ایک عبادت میں مصروف رہنا، باہمی یگانگت کے فروغ کا سبب بنتا ہے۔ اس اعتبار سے نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کو مواسات اور غمگساری کا مہینہ قرار دیا ہے۔

۴۔ ایک ماہ تک دن کے بڑے حصے میں معدے کا خالی رہنا صحت جسمانی کے لیے مفید ہوتا ہے۔

رمضان المبارک اور قرآن حکیم: ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ (سورۃ البقرۃ:۱۸۵)

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن، ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن، سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اس کے۔

نزولِ قرآن کی یادگار: اس مہینے میں روزوں کی فرضیت یہ معنی رکھتی ہے کہ انسان جب تک روزوں کے ذریعے تقویٰ حاصل نہ کرے وہ اس کتاب پاک سے جو متقیوں کے لیے ہدایت ہے کماحقہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔

رمضان اور پاکستان: یوں تو رمضان المبارک پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے رحمت و مغفرت کا مہینہ ہے لیکن ہم پاکستانی مسلمانوں کے لیے اس مہینہ اور اس کی ایک مبارک شب کی خاص اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک رات میں ہمیں آزادی عطا فرمائی تھی۔ رمضان کی ستائیسویں شب کو پاکستان کی تشکیل گویا اس حقیقت کی طرف اشارہ تھا کہ اس مملکت خداداد میں اسی کتاب مقدس کا نظام زندگی نافذ کیا جائے جو اس مبارک شب میں نازل ہوئی اور ہم نے پاکستان کا مطالبہ کیا بھی اسی غرض سے تھا کہ یہاں اسلامی نظام حیات نافذ کیا جائے۔ اس اعتبار سے رمضان المبارک، تشکیل پاکستان کی سالگرہ اور خدا سے کیے ہوئے ہمارے عہد کی تجدید کا موقع بھی ہے۔

بے اثر روزے: آج ہمارے روزوں کے وہ فیوض و برکات ظاہر نہیں ہوتے جن کا اہم اوپر کی سطور میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم روزے کے اصل مقصد تقویٰ (ضبط نفس) سے بے خبر ہیں۔ اس کی اہم شرائط ایمان اور احتساب، دونوں سے غافل ہیں۔ جس طرح ہماری نمازیں دکھاوے کی ہیں، ویسے ہی ہمارے روزے نمائشی ہیں۔

زکوٰۃ: انسانی معاشرے کی تشکیل میں نظام معیشت بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو نظام معاشرت کی طرح نظام معیشت کے بھی بہترین ضابطے عطا فرمائے ہیں۔ اگر ان ضابطوں پر عمل کیا جائے تو معاشی عدل قائم رہتا ہے اور ان کو ترک کر دینے سے ناانصافی جنم لیتی ہے جو متعدد خرابیوں کا باعث بنتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معاشی نظام میں زکوٰۃ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ زکوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ کچھ اس سے بھی ہوتا ہے کہ قرآن میں اکثر مقامات پر ادائیگی نماز کے ساتھ ہی ادائیگی زکوٰۃ کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ نماز اگر بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ نظام زکوٰۃ کی اسی حیثیت کے پیش نظر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں سے باوجود کہ وہ کلمہ گو تھے جہاد کیا اور فرمایا کہ میں اپنی زندگی میں ان دونوں فرائض کی تعمیل میں کوئی فرق نہیں ہونے دوں گا۔

زکوٰۃ کے لغوی معنی پاک کرنے کے ہیں۔ جو انسان زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ خدا کے حکم کے مطابق نہ صرف اپنے مال کو پاک کر لیتا ہے بلکہ اس کے ذریعے اپنے دل کو بھی دولت کی ہوس سے پاک کرتا ہے اور دولت کے مقابلے میں اس خدا کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے جس کے حکم پر وہ دولت کو قربان کر رہا ہے۔ ادائیگی زکوٰۃ اسے یہ بھی یاد دلاتی ہے کہ جو دولت وہ کماتا ہے وہ حقیقت میں اس کی ملکیت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے۔ یہ احساس اسے معاشی بے راہ روی سے بچاتا ہے اور اس کے تمام اعمال کو احکام الٰہی کا تابع کرتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے ارشاد کے مطابق معاشی معاملات دین کا اہم حصہ ہیں۔ جب انسان دولت جیسی نعمت اللہ تعالیٰ کے حکم پر خرچ کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے ایثار کی قدر کرتے ہوئے اس خرچ شدہ مال کو اپنے ذمے قرض قرار دیتا ہے اور وعدہ فرماتا ہے کہ بندے کا یہ قرض وہ کئی گنا بڑھا کر واپس کرے گا۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۙ (سورۃ التغابن:۱۷)

ترجمہ: اگر قرض دو اللہ کو اچھی طرح پر قرض دینا وہ دونا کرے اس کو تمہارے لیے اور تم کو بخشے اور اللہ قدر دان ہے اور تحمل والا۔

اس کے مقابلے میں جو لوگ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ (سورۃ التوبہ:۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ گاڑھ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اس کو خرچ نہیں کرتے اللہ کی روسے سو ان کو خوش خبری سُنا دو عذاب دردناک کی۔

ان آیات کی رو سے زکوٰۃ کی ادائیگی انسان کے لیے آخرت کی نعمتوں کے حصول اور عذاب جہنم سے نجات کا ذریعہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔

زکوٰۃ کے فوائد

ا۔ معاشی فوائد:

ا۔ چونکہ سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایہ کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لیے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایادار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیاتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ زکوٰۃ اس صورت حال کا بہترین حل ہے۔ اس نظام کے ذریعے دولت کا ایک دھارا امیر طبقے سے غریب طبقے کی جانب بھی مڑ جاتا ہے۔ جس سے غریب کی معاشی حالت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس حقیقت کو قرآن حکیم ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ ؕ (سورۃ البقرۃ:۲۷۶)

ترجمہ: مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو۔

۲۔ ادائیگی زکوٰۃ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعے پیدا ہونے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے صاحب مال اپنی دولت کسی نہ کسی منفعت بخش کاروبار میں لگانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ جس سے سرمایہ کاری میں اضافہ ہوتا ہے۔ چونکہ زکوٰۃ کی شرح صرف اڑھائی فیصد ہے لہٰذا صاحب مال یہ رقم دیگر قسم کے بھاری ٹیکسوں کے مقابلے میں خوش دلی اور دیانت داری سے ادا کرتا ہے۔ اور اپنا سرمایہ پوری آزادی سے کاروبار میں لگاتا ہے جب کہ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے۔ جس سے ملکی معیشت کمزور ہو جاتی ہے۔

ب۔ معاشرتی فوائد: معاشرے میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی۔ اگر یہ سارا خون دل (یعنی مالدار طبقے) میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم (یعنی عوام) کو مفلوج کر دینے کے ساتھ خود دل کے لیے بھی مضر ثابت ہو گا۔ اگر ایک طرف مفلس طبقہ، ناداری کے مصائب سے دوچار ہو گا تو دوسری طرف صاحب ثروت طبقہ دولت کی فراوانی سے پیدا ہونے والے اخلاقی امراض (مثلاً عیاشی، آرام کوشی اور فکر آخرت سے غفلت شعاری) کا شکار ہو جائے گا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں ان دونوں طبقوں میں حسد اور حقارت کے علاوہ کوئی اور رشتہ باقی نہیں رہے گا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ کشیدگی بڑھتی ہی جائے گی اور کسی نہ کسی بہانے ضرور رنگ لا کر رہے گی۔

ان تمام انفرادی و اجتماعی فوائد کے پیش نظر، حضرت محمد ﷺ کو مدینے کی اسلامی ریاست کے قیام کے فوراً بعد یہ ہدایت کی گئی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا (سورۃ التوبہ: ۱۰۳)

ترجمہ: لے ان کے مال میں سے زکوۃ کہ پاک کرے توان کو اور بابرکت کرے توان کو اس کی وجہ سے۔

زکوۃ کے مصارف: تقسیم کی مدات بھی اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمادی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (سورۃ التوبہ: ۶۰)

ترجمہ: زکوۃ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہے جو اس پر مقرر ہیں۔ نیز ان کا جن کی دل جوئی منظور ہے اور زکوۃ کو صرف کیا جائے گا گردنوں کے چھڑانے میں اور قرض داروں کے قرضہ ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی امداد میں یہ سب فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ بڑا علیم ہے بڑا حکمت والا۔

اس آیت کی روشنی میں مصارف زکوۃ درج ذیل ہیں۔

۱۔ ان تنگ دست لوگوں کی اعانت جن کے پاس کچھ نہ ہو۔
۲۔ ان لوگوں کی اعانت جو زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہیں۔
۳۔ زکوۃ کی وصولی پر متعین عملے کی تنخواہیں۔
۴۔ ان لوگوں کی اعانت جو نو مسلم ہوں تاکہ ان کی تالیف قلب ہو سکے۔
۵۔ غلاموں اور ان لوگوں کو آزاد کرنے کے مصارف جو قید و بند میں ہوں۔
۶۔ ایسے لوگوں کے قرضوں کی ادائیگی جو نادار ہوں۔
۷۔ جہاد فی سبیل اللہ اور تبلیغ دین میں جانے والوں کی اعانت میں۔
۸۔ مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو گو اپنے گھر پر دولت رکھتا ہو۔

جب اسلامی نظام حکومت قائم ہو تو اجتماعی زکوۃ دینا لازم ہو گا البتہ اگر کسی خطہ زمین میں مسلمان غیر اسلامی حکومت کے زیر فرمان آجائیں۔ تو اس صورت میں تنظیموں یا باہمی تعاون کے دوسرے اداروں کے ذریعے زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

مسائل زکوۃ: زکوۃ ان لوگوں پر فرض ہے جن کے پاس ایک خاص مقدار میں سونا، چاندی، روپیہ یا سامان تجارت ہو۔ اس خاص مقدار کو نصاب کہتے ہیں مختلف اشیاء کا نصاب یہ ہے۔

۱۔سونا: ساڑھے سات تولے

۲۔چاندی: ساڑھے باون تولے

۳۔روپیہ، پیسہ اور سامان تجارت، سونے چاندی دونوں میں سے کسی ایک قیمت کے برابر۔زکوٰۃ کسی مال پر اس وقت واجب ہوتی ہے جب اسے جمع کیے ہوئے پورا ایک سال گزر چکا ہو۔

ادائیگی زکوٰۃ کے چند (اصول)

۱۔ زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی سے لی جاتی ہے۔

وہ عزیز و اقارب جن کی کفالت شرعاً فرض ہے۔مثلاً ماں، باپ، بیٹا، بیٹی، شوہر، بیوی وغیرہ) انہیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ البتہ دور کے عزیز، غیروں کے مقابلے میں قابل ترجیح ہیں۔

۳۔ عام حالات میں ایک بستی کی زکوٰۃ خود اسی بستی میں تقسیم ہونی چاہیے۔البتہ اس بستی میں مستحق زکوٰۃ کے نہ ہونے یا کسی دوسری بستی میں ہنگامی صورت حال، مثلاً سیلاب، زلزلہ، قحط وغیرہ کے مواقع پر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

۴۔ زکوٰۃ دینے والوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ لینے والے کے مستحق زکوٰۃ ہونے کا ممکن حد تک اطمینان کرلیں۔

۵۔ زکوٰۃ کی رقم سے ضرورت کی اشیاء بھی خرید کر دی جاسکتی ہیں۔

۶۔ مستحق زکوٰۃ کو بتانا بھی ضروری نہیں کہ یہ پیسہ یا مال زکوٰۃ کا ہے۔

الحمدللہ! ہمارے ملک میں نظام زکوٰۃ کا آغاز ہو چکا ہے۔ہمارا فرض ہے کہ اس کی کامیابی کے لیے ہر ممکن تعاون کریں۔تاکہ اس کی برکت سے ہمارا معاشرہ دنیا کے لیے مشعل راہ بن سکے۔

زکوٰۃ کے جملہ فوائد و ثمرات تب ہی ظاہر ہو سکتے ہیں جب ہر صاحب مال اللہ جل شانہ، کی خوشنودی کو اپنا لائحہ عمل بنائے اور اسلام کے فیض رسانی اور نفع بخشی کے جذبہ کو ملحوظ خاطر رکھے۔خصوصاً زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا نظام اجتماعی طور پر قائم و دائم ہو۔

حج: ارکان اسلام میں حج کی اہمیت کا اندازہ قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے بخوبی ہوتا ہے۔

وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (سورۃ ال عمران:۹۷)

ترجمہ: اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہان کے لوگوں کی۔

مراد یہ ہے کہ یہ جامع عبادت اللہ تعالیٰ کی خاطر فرض کی گئی ہے اور اس کا اپنے بندوں پر یہ حق بھی ہے لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کی کوئی اپنی غرض وابستہ نہیں۔ بلکہ اس کے ذریعے بندوں کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے۔ ادائیگی حج کا سب سے بڑا فائدہ گناہوں کی بخشش ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔

مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ (بخاری)

ترجمہ: جو کوئی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں حج کرتا ہے اور دوران حج فسق و فجور سے باز رہتا ہے وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو کر لوٹتا ہے گویا ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔

اپنے گناہ گار بندوں کو دنیا ہی میں پاک صاف کر دینے کا یہ انتظام جہاں اللہ تعالیٰ کے کرم کی دلیل ہے۔ وہیں اس سے فائدہ نہ اٹھانا حد درجہ کی ناشکری اور بد بختی ہے۔ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَنْ لَّمْ يَمْنَعْهُ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوْ سُلْطَانٌ جَائِرٌ اَوْ مَرَضٌ حَابِسٌ فَلَمْ يَحُجَّ فَلْيَمُتْ اِنْ شَآءَ يَهُوْدِيًّا وَّاِنْ شَآءَ نَصْرَانِيًّا

ترجمہ: جس (صاحب استطاعت) شخص کو نہ کوئی ظاہری ضرورت، حج سے روک رہی ہو، نہ کوئی ظالم بادشاہ اس کی راہ میں حائل ہو اور نہ کوئی روکنے والی بیماری اسے لاحق ہو اور پھر بھی وہ حج کیے بغیر مر جائے تو وہ ایک مسلمان کی نہیں کسی یہودی یا نصرانی کی موت مرے گا۔

جامعیت: حج جیسی عبادت میں باقی تمام عبادات کی روح شامل ہے۔ حج کے لیے روانگی سے واپسی تک دوران سفر نماز کے ذریعے قرب خداوندی میسر آتا ہے۔ حج کے لیے مال خرچ کرنا زکوٰۃ سے مشابہت رکھتا ہے۔ نفسانی خواہشات اور اخلاقی برائیوں سے پرہیز اپنے اندر روزے کی سی کیفیت رکھتا ہے۔ گھر سے دوری اور سفر کی صعوبت میں جہاد کا رنگ ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا "سب سے افضل جہاد حج مبرور (مقبول) ہے" آپ ﷺ کے اسی ارشاد گرامی کے پیش نظر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے "حج کا سامان تیار کھو کہ یہ بھی ایک جہاد ہے۔"

زائرین خانہ کعبہ کی کیفیات: اگر حج کے مناسک پر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ہر مرحلہ اپنے اندر اخلاقی و روحانی تربیت کا سامان رکھتا ہے۔ جب ایک شخص اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ کر اور دنیوی دلچسپیوں سے منہ موڑ کر، بغیر سلی چادریں اوڑھ کر "لبیک اللھم لبیک" کی صدائیں بلند کرتے ہوئے بیت اللہ شریف میں حاضر ہوتا ہے تو اس کا یہ سفر ایک طرح سے سفر آخرت کا نمونہ بن جاتا ہے۔

اس دینی ماحول اور پاکیزہ فضا میں جب وہ مناسک حج ادا کرتا ہے تو اس کی حالت ہی عجیب ہوتی ہے۔ میدان عرفات کے قیام میں اسے وہ بشارت یاد آتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے دین اسلام کی صورت میں مسلمانوں پر اپنی نعمت کی تکمیل کا ذکر فرمایا ہے۔ اسے حضور اکرم ﷺ کے مبارک خطبے کی بے مثال ہدایات یاد آتی ہیں۔ اسے یہ حکم یاد آتا ہے کہ میرے بعد گمراہی سے بچنے کے لیے قرآن اور حدیث کو مضبوطی سے تھامے رہنا۔ قربانی کرتے وقت حضرت ابراہیمؑ کی بے نظیر قربانیاں یاد آتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے جملہ قربانیوں کے مقابلے میں نفس کی چھوٹی موٹی خواہشات کی قربانی کی حقیقت ہی کیا ہے؟ میرا تو مرنا جینا بھی خدا ہی کے لیے ہونا چاہیے۔ ایسے میں اس کے لبوں پر یہ کلمات جاری ہوتے ہیں۔

اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (سورۃ الانعام: ۱۶۲، ۱۶۳)

ترجمہ: کہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ ہی کے لیے ہے جو پالنے والا سارے جہان کا ہے۔ کوئی نہیں اس کا شریک، اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں۔

مقام منیٰ میں وہ اس عزم کے ساتھ اپنے ازلی دشمن شیطان کو کنکریاں مارتا ہے۔ کہ اب اگر یہ میرے اور میرے اللہ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کرے گا تو اسے پہچاننے میں غلطی نہیں کروں گا۔ جب وہ بیت اللہ کے سامنے پہنچتا ہے۔ تو اس کی روح اس خیال سے وجد میں آجاتی ہے کہ جس گھر کی زیارت کی تمنا تھی وہ آج نظر کے سامنے ہے۔ خدا سے لو لگائے رکھنے کی یہ کیفیت حاجی کے کام آتی ہے۔ طواف کے بعد وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتا ہے۔ تو گویا زبان حال سے کہتا ہے کہ اے اللہ! تیرے قرب سے حاصل ہونے والی اس قوت ایمان کو میں تیرے دین کی سربلندی کے لیے وقف کر دوں گا اور عمر بھر حضرت محمد ﷺ کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا۔ دل کی یہی تمنا دعا بن کر اس طرح لبوں تک آتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اسْتَعْمِلْنِیْ بِسُنَّةِ نَبِیِّكَ وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی مِلَّتِهٖ وَاَعِذْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ النَّفْسِ

ترجمہ: اے میرے اللہ! مجھے اپنے نبی کے طریقے پر کاربند رکھ اور اس پر عمل کرتے ہوئے مجھے اپنے پاس بلالے اور نفسانی لغزشوں سے مجھے محفوظ فرمادے۔

فوائد

۱۔ حج کا اصل فائدہ یادِ الٰہی اور تقرب خداوندی ہے لیکن دیگر ارکان دین کی طرح اس کے بھی متعدد معاشرتی واخلاقی فوائد ہیں۔ اس موقع پر دنیا کے مختلف علاقوں سے آنے والے افراد حج کی برکت سے پاک صاف جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے ساتھ ایمان اور تقویٰ کی پاکیزگی کی جو دولت لے کر لوٹتے ہیں وہ ان کے ماحول کی اصلاح کا سبب بھی بن جاتی ہے۔

۲۔ حج کا یہ عظیم الشان اجتماع ملت اسلامیہ کی شان و شوکت کا آئینہ دار ہوتا ہے جب دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمان، رنگ و نسل، قوم و وطن کے امتیازات سے بلند و بالا ہو کر ایک ہی کلمہ **لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ** دہراتے ہیں۔ ایک ہی کیفیت میں سرشار اپنے خدا کی پکار پر لپکے جا رہے ہوتے ہیں تو گویا وہ خدا کے فداکار سپاہیوں کی ایک فوج معلوم ہوتے ہیں۔

۳۔ حج کا ایک اہم تجارتی اور اقتصادی فائدہ یہ بھی ہے کہ مختلف ممالک سے آنے والے حجاج خرید و فروخت کے ذریعے معاشی نفع حاصل کرتے ہیں۔

حج مقبول: حج کے مذکورہ بالا اجتماعی و انفرادی فوائد سے ہم تبھی متمتع ہو سکتے ہیں جب ہمارا مقصد رضائے الٰہی ہو۔ ہماری سرگرمیوں کا مرکز و محور دین حق کی سربلندی ہو اور حج کے روحانی مقاصد پر نظر جمی رہے۔ تبھی ہمارا حج، حج مقبول و مبرور ہو سکتا ہے۔

جہاد

جہاد: جہاد کے لغوی معنی کوشش کے ہیں اور دینی اصطلاح میں اس سے مراد وہ کوشش ہے جو دین کی حفاظت اور فروغ اور امت مسلمہ کے دفاع کے لیے کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کو اس دنیا کا حاکم مان لینے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی زندگی کے جملہ معاملات میں اس کے احکام کی پیروی کرے۔ نیز اس کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ چلنے دے۔ اگر کوئی طاقت "اقتدارِ اعلیٰ" اپنے ہاتھ میں لے کر اپنا قانون نافذ کرنا چاہے تو وہ جان پر کھیل کر اس کا مقابلہ کرے۔ اسلام کی جملہ عبادات انسان میں یہی جذبہ فداکاری پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اس جذبے کے بغیر نہ اسلام کی بقا ممکن ہے، نہ فروغ۔

جہاد کی چند اہم اقسام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **خواہش نفس کے خلاف جہاد:** اطاعت الٰہی سے روکنے والی پہلی قوت انسان کی اپنی خواہشات ہیں جو ہر وقت اس کے دل میں موجزن

رہتی ہیں اور اسے ان کی سر کوبی کے لیے ہر وقت چوکنا رہنا پڑتا ہے۔ لہٰذا خواہشات نفس کے خلاف جہاد کو نبی اکرم ﷺ نے ''جہاد اکبر'' کا نام دیا ہے اور یہ جہاد کا وہ مرحلہ ہے جسے سر کیے بغیر انسان جہاد کے کسی اور میدان میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ شیطان کے خلاف جہاد: اپنے نفس پر قابو پا لینے کے بعد ان شیطانوں سے نمٹنا ضروری ہوتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اپنی اطاعت اور بندگی پر مجبور کر رہے ہوں۔ قرآن حکیم اس قسم کی ہر قوت کو طاغوت کا نام دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (سورۃ النساء:۷۶)

ترجمہ: جو لوگ ایمان والے ہیں سو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں سو لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں۔

یہ طاغوتی قوتیں مسلمان معاشرے کے اندر غلط رسم و رواج کی شکل میں بھی پائی جاتی ہیں اور اسلامی معاشرے کے باہر غیر اسلامی ممالک کے غلبے کی شکل میں بھی۔ چنانچہ ان طاغوتی طاقتوں سے نمٹنے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ کہیں ان سے زبان و قلم کے ذریعے نمٹا جاتا ہے اور کہیں قوت و طاقت کے ذریعے۔ اس بارے میں قرآن مجید ایک جامع ہدایت دیتا ہے۔

وَ جَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ (سورۃ النحل:۱۲۵)

ترجمہ: اور ان کے ساتھ بحث کیجیے پسندیدہ طریقہ سے۔

اگر جہاد کا سچا جذبہ دل میں موجزن ہو تو مومنانہ بصیرت ہر موقع پر مناسب راہیں سجھا دیتی ہیں۔ اس سلسلے میں نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بہترین رہنمائی کرتا ہے۔

مَنْ رَّأٰى مِنْكُمْ مُّنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ (مسلم)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اس کو ہاتھ سے (قوت سے) روکے۔ اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو اسے دل سے برا سمجھے (اور یہ بدی کو محض دل سے برا سمجھنا) ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

جہاد بالسیف: حق و باطل کی کشمکش میں وہ مقام آ کر رہتا ہے جب طاغوتی قوتیں حق کا راستہ روکنے اور اسے مٹانے کے لیے سرد جنگ سے آگے بڑھ کر کھلی جنگ پر اتر آتی ہیں اور مسلمانوںs کو ملی تحفظ اور بقائے دین کے لیے ان سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے۔ اس کی دو اقسام ہیں۔

۱۔ **مدافعانہ جہاد:** اگر کوئی غیر مسلم قوت کسی مسلمان ملک پر حملہ کر دے تو اس ملک کے مسلمانوں پر اپنے دین و ایمان، جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی خاطر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔ مسلمان ممالک اور اسلامی معاشرے کو غیر مسلموں کے تسلط سے محفوظ رکھنے کے سلسلے میں جو بھی کوشش کی جائے گی وہ جہاد شمار ہو گی۔ مدافعانہ جہاد کی ایک قسم یہ ہے کہ اگر کسی غیر مسلم ریاست کی مسلمان رعایا پر محض اس کی مسلمان ہونے کی وجہ سے ظلم و ستم ڈھایا جا رہا ہے تو عالم اسلام اسے ظلم و ستم سے نجات دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔

۲۔ **مصلحانہ جہاد:** جو شخص کلمہ طیبہ پڑھ کر اللہ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی اطاعت کا اقرار کرتا ہے اس پر لازم آتا ہے کہ وہ ساری دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور نبی اکرم ﷺ کی شریعت نافذ کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کی بعث کا ایک اہم مقصد دین حق کا قیام بتاتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ○ (سورۃ التوبہ: ۳۳)

ترجمہ: اس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر تا کہ اس کو غلبہ دے ہر دین پر اور پڑے برا مانیں مشرک۔

مزید برآں ارشاد خداوندی ہے۔

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ (سورۃ الانفال: ۳۹)

ترجمہ: اور لڑتے رہو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جاوے سب اللہ کا۔

جنگ اور جہاد: مخالفین اسلام ہمارے دین کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ دین تلوار کے زور سے پھیلا، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں۔ مسلمان کی تلوار اور کافر کی شمشیر، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ کافر کی جنگ کا مقصد کسی مخصوص فرد، گروہ یا قوم کی ہوس ملک گیری، جذبہ برتری یا معاشی غلبے کے جذبے کی تسکین ہوتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ ہر ممکن ظلم، دہشت گردی اور سفاکی سے کام لیتا ہے اور کامیاب ہو جانے کی صورت میں مفتوحین کی جان و مال اور عزت و آبرو، ہر چیز کو غارت کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس مسلمان کے جہاد کا مقصد انسانوں کو طاغوتی قوتوں کے غلبے سے نجات دلانا، ان کے شرف اور ان کی آزادی کو بحال کرنا ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ خود کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ضابطہ جنگ کا پابند رکھتا ہے۔ جس میں اس کی ذاتی منفعت کا شائبہ تک شامل نہیں ہوتا۔ اس کی تلوار کی زد محض برسر جنگ افراد تک محدود رہتی ہے اور پھر جب وہ فتح حاصل کرتا ہے تو مفتوح قوم کو اپنے جذبہ انتقام کا نشانہ بنانے کی بجائے ان کے لیے امن و سلامتی کی فضا فراہم کرتا ہے اور انہیں اسلام کی ان برکات سے بہرہ ور کرتا

ہے جس میں بحیثیت انسان تمام انسانوں کے حقوق یکساں ہیں۔ چنانچہ جب غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کا نظام عدل، نظام اخلاق، نظام سیاست و حکومت اور نظام عبادات پسند آ جاتا ہے تو وہ حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے ہیں اور ان کی اس ذہنی تبدیلی کا سہرا تلوار کے سر نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات اور مجاہدین اسلام کے اعلیٰ کردار کے سر ہے۔ تلوار کا کام تو صرف اتنا ہے کہ اسلام کے عادلانہ نظام اور عالم اسلام کے درمیان جو لادینی قوتیں رکاوٹ بنی پڑی ہوں ان کا صفایا کر دے۔

جہاد کے فضائل: قرآن حکیم اور کتب احادیث میں جہاد کے متعدد فضائل بیان ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ○

(سورۃ الصف: ۴)

ترجمہ: اللہ پسند کرتا ہے ان لوگوں کو جو لڑتے ہیں اس کی راہ میں قطار باندھ کر گویا وہ دیوار ہیں سیسہ پلائی ہوئی۔

حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے "قسم ہے اللہ کی جس کی مٹھی میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے ایک صبح یا ایک شام کا سفر دنیا و مافیہا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے اور اللہ کی راہ میں دشمن کے مقابل آکر ٹھہرے رہنے کا ثواب گھر میں ستر نمازوں سے زیادہ ہے" بلاشبہ یہ جہاد کی عظمت اور شہادت کی تڑپ ہی کا جذبہ تھا کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان دنیا پر چھائے رہے اور پورے کرہ ارض پر ان کی عظمت و شوکت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت و اطاعت

اللہ تعالیٰ کے احسانات: اللہ تعالیٰ نے ہمیں صرف زندگی ہی نہیں دی بلکہ زندگی بسر کرنے کے تمام لوازم بھی عطا فرمائے ہیں۔ اس کی عنایت کا شمار اور اس کے کرم کا حساب ممکن نہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (سورۃ ابراھیم: ۳۴)

ترجمہ: اور اگر گنو احسان اللہ کے نہ گن سکو۔

کیسے ممکن ہے کہ نعمتوں کی یہ کثرت و فراوانی انسان کے دل میں اپنے رحیم کریم آقا کے لیے وہ جذبۂ محبت و احسان مندی نہ پیدا کرے جس کے بارے میں قرآن حکیم کہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (سورۃ البقرہ: ۱۶۵)

ترجمہ: اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے احسانات: اللہ تعالیٰ کے بعد ہماری محبت کے مستحق اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات کے طفیل ہمیں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت، دولت دین میسر آئی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی راہ میں جس قدر تکالیف مجھے دی گئیں۔ کسی اور نبی کو نہیں دی گئیں اور وہ سب تکالیف آپ ﷺ نے اس غرض سے برداشت کیں کہ امت آخرت کی تکالیف سے بچ جائے۔ حضور اکرم ﷺ کی محبت کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ

ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے اپنے والدین، اپنی اولاد اور دنیا کے تمام لوگوں سے زیادہ میں محبوب نہ ہو جاؤں۔

شرط محبت۔ اطاعت رسول: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اطاعت رسول ﷺ کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (سورۃ آل عمران: ۳۱)

ترجمہ: تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ۔

اور اطاعت کی یہ شرط کچھ ہمارے نبی اکرم ﷺ ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قرآن حکیم کہتا ہے جتنے انبیاء بھی دنیا میں بھیجے گئے ان کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ لوگوں سے ان کی پیروی کرائی جائے۔

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (سورۃ النساء: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس واسطے کہ اس کا حکم مانا جائے۔ اللہ کے فرمانے سے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حوض کوثر پر ایسے لوگوں کو حضور اکرم ﷺ کے دیدار سے محروم کر دیا جائے گا جنہوں نے مسلمان ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی پیروی کرنے کی بجائے دین میں نئی نئی باتیں نکال لی تھیں۔ ایک اور حدیث میں آتا ہے۔

كُلُّ اُمَّتِيْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ اَبٰى قِيْلَ وَمَنْ اَبٰى؟ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبٰى

ترجمہ: میرا ہر امتی جنت میں جائے گا سوائے اس کے جو انکار کر دے عرض کیا گیا کہ انکار کرنے والا شخص کون ہو گا؟ ارشاد فرمایا جو شخص میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو میری نافرمانی کرے گا وہ انکار کرنے والا ہو گا۔

حقوق العباد

معاشرتی زندگی میں اگر فرداً فرداً سب لوگوں کو ان کے جائز حقوق ملتے رہیں تو وہ سکون و اطمینان کے ساتھ اپنی صلاحتیں معاشرے کی ترقی کے لیے استعمال کر سکتے ہیں اور اس طرح خوشگوار ماحول بن سکتا ہے۔ جسے حسن معاشرت کہا جا سکتا ہے۔ جب کہ آپس میں ایک دوسرے کا حق مارنے کی روش بے چینی اور کشمکش پیدا کرتی ہے۔ اس سے معاشرے کا نظم بگڑتا ہے اور تخریبی رجحانات تعمیری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں انسان کو اپنی ہدایات سے محروم نہیں رکھا۔ اس نے انسانوں کے درمیان حقوق کا واضح تعین کر کے ان کی ادائیگی کو اپنی خوشنودی اور ادا نہ کرنے کو اپنی ناخوشی کا سزاوار ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ ایک سچا مسلمان حقوق العباد کو بھی حقوق اللہ ہی کی طرح محترم سمجھتا اور ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ حقوق العباد کو درج ذیل اہم حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا۔ **والدین کے حقوق:** معاشرے میں انسان کو جن ہستیوں سے سب سے زیادہ مدد ملتی ہے وہ والدین ہیں جو محض اس کے وجود میں لانے کا ذریعہ ہی نہیں بنتے بلکہ اس کی پرورش اور تربیت کا بھی سامان کرتے ہیں۔ دنیا میں صرف والدین کی ہی ذات ہے جو اپنی راحت اولاد کی راحت پر قربان کر دیتی ہے۔ ان کی شفقت، اولاد کے لیے رحمت باری کا وہ سائبان ثابت ہوتی ہے جو انہیں مشکلات زمانہ کی دھوپ سے بچا کر پروان چڑھاتی ہے۔ انسانیت کا وجود خدا کے بعد والدین ہی کا مرہون منت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اپنے بعد انہیں کا حق ادا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿٢٣﴾ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۭ ﴿٢٤﴾ (سورۃ الاسراء: ۲۳، ۲۴)

ترجمہ: اور حکم کر چکا تیرا رب کہ نہ پوجو اس کے سواء اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر پہنچ جائیں تیرے سامنے بڑھاپے کو ایک ان میں سے یا دونوں تو نہ کہہ ان کو ہوں! اور نہ جھڑک ان کو اور کہہ ان سے بات ادب کی اور جھکا دے ان کے آگے کندھے عاجزی کر کر، نیاز مندی سے اور کہہ اے رب ان پر رحم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا سا۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ والدین کا نافرمان فرد جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا۔ نبی کریم ﷺ نے بوڑھے والدین کی خدمت پر بہت زور دیا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کی صلاحتیں اور توانائیاں اولاد پر صرف کر چکے ہوتے ہیں۔ اس لیے اولاد کا فرض ہے کہ ان کے بڑھاپے کا سہارا بن کر احسان شناسی کا ثبوت دے۔ ایک بار آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محفل میں ارشاد فرمایا۔ ''ذلیل وخوار ہوا، ذلیل وخوار ہوا، ذلیل خوار ہوا'' صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا کون؟ یارسول اللہ ﷺ! ارشاد فرمایا ''وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر لی۔''

۲۔ اولاد کے حقوق: حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کی تاریخ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ ایک زمانے میں انسان کی سنگ دلی اس درجے کو پہنچ گئی تھی کہ وہ اپنے اولاد کو قتل کر ڈالتا۔ اسلام نے انسان کے دل میں سوئے ہوئے جذبہ رحم والفت کا جگایا تو دنیا سے قتل اولاد کی سنگ دلانہ رسم مٹی اور اولاد کو اپنے والدین سے محبت وشفقت کی نعمت ایک بار پھر ملی۔ قرآن حکیم میں معاشرے کی دیگر برائیوں کے ساتھ قتل اولاد سے بھی ان الفاظ میں منع فرمایا۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ (سورۃ الاسراء: ۳۱)

ترجمہ: اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے ہم روزی دیتے ہیں ان کو اور تم کو بے شک ان کو مارنا بڑی خطا ہے۔

ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''شرک'' انہوں نے دریافت کیا ''اس کے بعد آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''والدین کی نافرمانی'' عرض کیا ''اس کے بعد'' ارشاد ہوا ''تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمھارے کھانے میں حصہ بٹائے گی۔''

تعلیمات اسلامی کے تحت والدین پر اولاد کے متعدد حقوق عائد ہوتے ہیں مثلاً (1) زندگی کا حق (2) بنیادی ضروریات کی فراہمی، یعنی کھانے پینے، رہائش اور علاج کا حق (3) حسب مقدور تعلیم وتربیت کا حق۔

اگر والدین یہ جملہ حقوق بحسن وخوبی ادا کرتے رہیں تو نہ صرف یہ کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ بلکہ ان کی اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنتی ہے۔ اس کے برعکس جو لوگ اولاد کے حقوق کی ادائیگی پر اپنے آرام وآسائش کو مقدم رکھتے ہیں۔ ان کی اولاد ان کی آخری عمر میں انہیں بے سہارا چھوڑ دیتی ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ جہاں اپنی اولاد کو روزی کمانے کے قابل بنانے کی تدبیر کرتے رہیں وہاں ان میں فکر آخرت بھی پیدا کریں اور عمل صالح کی تربیت دیں۔ اللہ تعالیٰ نے والدین کی ذمہ داری کو بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ التحریم:٦)

ترجمہ: اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

بلاشبہ اگر والدین خدا اور رسول کے حکم کے مطابق اپنی اولاد کے حقوق بطریق احسن ادا کریں اور اسے نیکی کی راہ پر لگائیں تو نہ صرف یہ کہ وہ دنیا میں ان کی راحت کا سامان بنے گی بلکہ آخرت میں بھی ان کی بخشش کا ذریعہ بنے گی۔

٣۔ میاں بیوی کے باہمی حقوق: معاشرے کی بنیادی اکائی گھر ہے اور گھر کے سکون اور خوشحالی کا انحصار میاں بیوی کے خوشگوار تعلقات پر ہے۔ اس کی عمدگی محض دو افراد ہی کی نہیں بلکہ دو خاندانوں کی شادمانیوں کا سبب بنتی ہے۔ اگر ان کے تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو یہ صورت حال بہت سے رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زوجین کے حقوق کا تعین فرماتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا ہے۔

وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

(سورۃ البقرہ:٢٢٨)

ترجمہ: اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے۔ دستور کے موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے۔

لیکن یہ درجہ محض گھر کا انتظام ایک زیادہ باہمت، حوصلہ منداور قوی شخصیت کے سپرد کرنے کے لیے ہے عورتوں پر ظلم روا رکھنے کے لیے نہیں۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے خواتین کا شرف بحال کیا اور مردوں کو ان پر حکومت کا اختیار دینے کی بجائے ان کی حفاظت کی ذمہ داری سپرد کی اور تلقین کی کہ بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے بیویوں کے ساتھ حسن سلوک کو خیر اور اچھائی کا معیار بتایا۔ ارشاد ہوا۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ

ترجمہ: تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنی بیوی کے ساتھ اچھا ہے۔

ایک بار ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا "یارسول اللہ ﷺ! بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو خود کھائے اسے کھلائے، جیسا خود پہنے ویسا اسے پہنائے نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے، نہ اسے برا بھلا کہے" آپ ﷺ کو بیویوں کے حقوق کا اتنا خیال تھا کہ خطبہ حجتہ الوداع میں ان سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔ دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے نیک بیویوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ (سورۃ النساء:۳۴)

ترجمہ: پھر جو عورتیں نیک ہیں سو اطاعت گزار ہیں نگہبانی کرتی ہیں پیٹھ پیچھے۔

جہاں مرد کو منتظم اعلیٰ کی حیثیت سے بیوی بچوں کی کفالت اور حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ وہاں عورتوں کو پابند کیا گیا کہ وہ مردوں کی وفادار اور اطاعت گزار بن کر رہیں۔ ایک مسلمان بیوی کے لیے شوہر کی جو حیثیت ہوتی ہے اس کا اندازہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی سے ہوتا ہے "اگر میں خدا کے علاوہ کسی اور کو سجدے کا حکم دیتا تو بیوی سے کہتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔" ساتھ ہی شوہر کو نصیحت کی گئی ہے کہ اپنے اختیارات کا ناجائزہ فائدہ اٹھاتے ہوئے بیوی پر سختی نہ کرے۔ بلکہ اگر اس میں کچھ خامیاں بھی پائی جاتی ہوں تو در گزر کرے اور اس کی خوبیوں کی قدر کرے۔ اس بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ فَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّيَجۡعَلَ اللّٰهُ فِيۡهِ خَيۡرًا كَثِيۡرًا ۝ (سورۃ النساء:۱۹)

ترجمہ: اور گزران کروان عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر وہ تم کو نہ بھاویں۔ شاید تم کو پسند نہ آوے ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

اس بات کی تصریح نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارک سے ہوتی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اپنی بیویوں میں کوئی برائی دیکھ کر ان سے نفرت نہ کرنے لگ جاؤ اگر تم غور کرو گے تو تمہیں ان میں کوئی اچھائی بھی ضرور نظر آجائے گی۔"

۴۔ **رشتہ داروں کے حقوق:** والدین اولاد اور شریک حیات (بیوی) کے حقوق کے بعد، اسلام رشتہ داروں کے حقوق پر زور دیتا ہے۔ کیونکہ معاشرتی زندگی میں انسان کا واسطہ اہل خانہ کے بعد سب سے زیادہ انہی سے پڑتا ہے۔ اگر خاندان کے افراد ایک دوسرے کے حقوق اچھے طریقے سے ادا کرتے رہیں تو پورے خاندان میں محبت اور اپنائیت کی فضا قائم ہو گی اور معاملہ اس کے برعکس ہو تو نفرت اور دوری پیدا ہو جائے گی اور آئے دن کے جھگڑوں سے خاندان کا سکون برباد ہو کر رہ جائے گا۔ قرآن و حدیث دونوں میں صلہ رحمی یعنی رشتہ داروں سے حسن سلوک کی بار بار تلقین کی گئی۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ (سورۃ الاسراء:۲۶)

ترجمہ: رشتہ دار کو اس کا حق دو۔

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

لَا يَدۡخُلُ الۡجَنَّةَ قَاطِعٌ

ترجمہ: رشتہ داروں سے تعلق توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہو گا۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ضرورت مند رشتہ داروں کی ضروریات کا خیال رکھیں، تاکہ انہیں غیروں کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ تلقین کی گئی ہے کہ جو کچھ خدا کی راہ میں خرچ کریں اس میں ترجیح اپنے رشتہ داروں کو دیں اور پھر ان کے ساتھ جو سلوک کریں اس پر انہیں طعنے دے کر اپنا اجر و ثواب برباد نہ کریں۔ انہیں احساس تنہائی اور احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیں۔ ان کی خوشی اور غم میں شریک ہوں۔ رشتے داروں کے ذریعے امداد کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کی عزت نفس مجروح نہیں ہوتی اور کام نکل جاتا ہے۔ جب کہ غیروں سے مدد طلب کرنے میں اپنی ہی نہیں، خاندان کی عزت بھی گھٹتی ہے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص خدا اور رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق اپنے رشتے داروں کے حقوق کا خیال رکھے تو معاشرہ بہت سی خرابیوں سے محفوظ رہے گا۔

۵۔ **اساتذہ کے حقوق:** اسلام نے جہاں مسلمانوں پر حصول علم کو فرض قرار دیا وہاں استاد کو بھی معزز ترین مقام عطا کیا تاکہ اس کی وجاہت سے علم کا وقار بڑھے اور علم سے انسانیت کا، استاد کا یہ اعزاز کیا کم ہے کہ اسے اس پیشے کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ سے ایک خصوصی نسبت حاصل ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

ترجمہ: مجھے تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

استاد نئی نسل کی صحیح نشوونما کر کے اس کے فکر و عمل کی اصلاح کرتے ہیں۔ نئی نسل انہیں کے فراہم کردہ سانچوں میں ڈھلتی ہے۔ استاد کے اعزاز و احترام کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ تیرے تین باپ ہیں۔ ایک وہ جو تجھے عدم سے وجود میں لایا۔ دوسرا وہ جس نے تجھے اپنی بیٹی دی۔ تیسرا وہ جس نے تجھے علم کی دولت سے مالا مال کیا۔

معلم کی حیثیت علم کی بارش کی سی ہوتی ہے اور طلبہ کی زمین کی، جو زمین بارش کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے وہ بارش کے فیض سے سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ یہ حوصلہ اور ظرف بھی والدین کے علاوہ استاد کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے شاگرد کو خود سے آگے بڑھتے دیکھ کر حسد کرنے کی بجائے خوش ہوتا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں وہ اپنے طلبہ کی کامیابیوں کو اپنی ہی کامیابیاں سمجھتا ہے۔ مسلمانوں میں استاد کی احسان شناسی اور احترام کا اندازہ کچھ اس رواج سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ شاگرد استاد کے نام کو اپنے نام کا حصہ بنا لیتے تھے اور اس طرح لائق شاگردوں کے ذریعے استاد کا نام زندہ رہتا تھا۔

۶۔ **ہمسایوں کے حقوق:** انسان کو روزمرہ کی زندگی میں اپنے ہمسایوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ چنانچہ اسلام میں پڑوسیوں کے حقوق پر بڑا زور دیا گیا ہے اور تین قسم کے پڑوسیوں سے حسن سلوک کی خصوصی تلقین فرمائی گئی ہے۔

اول: وہ پڑوسی جو رشتے دار بھی ہوں۔

دوم: غیر رشتے دار پڑوسی (خواہ وہ غیر مسلم ہوں)

سوئم: جن سے عارضی تعلقات قائم ہو جائیں۔ مثلاً ہم پیشہ، ہم جماعت یا شریک سفر افراد وغیرہ۔

ہمسایہ کے حقوق کے بارے میں متعدد احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

ا۔ وہ شخص مومن نہیں جو اپنے ہمسائے کی بھوک سے بے نیاز ہو کر شکم سیر ہو۔

ب۔ تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو اپنے ہمسائے کے حق میں بہتر ہے۔

ج۔ اگر پڑوسی کو مدد کی ضرورت پڑے تو اس کی مدد کرو، قرض مانگے تو دو، محتاج ہو جائے تو اس کی مالی امداد کرو، بیمار پڑ جائے تو علاج کرواؤ اور مر جائے تو جنازے کے ساتھ قبرستان جاؤ اور اس کے بچوں کی دیکھ بھال کرو۔ اگر اسے کوئی اعزاز حاصل ہو تو اسے مبارک باد دو۔ اگر مصیبت میں مبتلا ہو جاہے تو اس سے ہمدردی کرو۔ بغیر اجازت اپنی دیوار اتنی اونچی نہ کرو کہ اس کے لیے روشنی اور ہوا رک جائے۔ کوئی میوہ یا سوغات وغیرہ لاؤ تو اسے بھی بھیجو۔

د۔ حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ پڑوسیوں کے حقوق کے بارے میں اتنی شدت سے تاکید فرماتے تھے کہ ہم سوچنے لگتے کہ شاید میراث میں بھی پڑوسیوں کا حصہ رکھ دیا جائے گا۔

ہ۔ ایک بار آپ ﷺ کی محفل میں ایک عورت کا ذکر آیا کہ وہ بڑی عبادت گزار اور پرہیز گار ہے۔ دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو تہجد ادا کرتی ہے لیکن پڑوسیوں کو تنگ کرتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا۔ "وہ دوزخی ہے" اور ایک دوسری عورت کے بارے میں عرض کیا گیا کہ وہ صرف فرائض (عبادات) ادا کرتی ہے ہمسایوں کے حقوق کا خیال رکھتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "وہ جنتی ہے"

ے۔ **غیر مسلموں کے حقوق:** اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کی صراحت فرمادی ہے کہ کافر اور مشرک ہر گز ہر گز مسلمانوں کے دوست نہیں ہو سکتے لیکن اس کے باوجود غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی ہدایت کی ہے۔ یہ صرف اسلام کی خوبی ہے کہ وہ غیر مسلموں کو مسلمانوں کے سے شہری حقوق عطا کرتا ہے اور مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ وہ ان سے شفقت آمیز برتاؤ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا ؕ اِعۡدِلُوۡا ۟ هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ۫

(سورۃ المائدۃ:۸)

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہر گز نہ چھوڑو۔ عدل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروکار غیر مسلموں سے ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا ایک ڈاکٹر مریض سے کرتا ہے اسی حسن سلوک سے مسلمانوں نے ہمیشہ غیر مسلم اقوام کے دل جیت لیے۔

معاشرتی ذمہ داریاں

(۱) محاسن اخلاق

اسلام انسانی معاشرے کو خوش حال دیکھنا چاہتا ہے۔ اس لیے اس نے اخلاق حسنہ کو بڑی اہمیت دی ہے اور مسلمانوں کے لیے اخلاق کی پاسداری کو مذہبی فریضہ قرار دیا۔ اس سلسلے میں چند محاسن اخلاق کا ذکر درج ذیل ہے۔

۱۔ **دیانت داری:** معاشی اور معاشرتی تعلقات کی استواری کے لیے دیانت ایک بنیادی شرط ہے۔ جس معاشرے سے دیانت داری ختم ہو جائے وہاں کاروباری معاملات سے لے کر گھریلو تعلقات تک ہر جگہ ناقابل اصلاح بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک دوسرے پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اسلام اپنے نام لیواؤں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے دیانتداری کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ (سورۃ النساء:۵۸)

ترجمہ: بے شک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچادو امانتیں امانت والوں کو۔

نیز جہاں دنیا و آخرت کی فلاح حاصل کرنے والوں کی دیگر صفات بتائی گئی ہیں وہاں یہ بھی فرمایا گیا ہے۔

وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ۙ﴿۸﴾ (سورۃ المومنون:۸)

ترجمہ: اور جو اپنی امانتوں سے اور اپنے اقرار سے خبردار ہیں

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں کون نہیں جانتا کہ آپ ﷺ منصبِ نبوت پر سرفراز ہونے سے قبل بھی عرب کے بد دیانت معاشرے میں "یعنی دیانت دار کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے احساس دیانت کا یہ عالم تھا کہ مدینہ منورہ ہجرت کرتے وقت بھی ان لوگوں کی امانتوں کی ادائیگی کا اہتمام فرمایا جو آپ ﷺ کے قتل کے درپے تھے۔ اسلام نے دیانت کے مفہوم کو محض تجارتی کاروبار تک محدود نہ رکھا بلکہ وسعت دے کر جملہ حقوق العباد کی جانے والی باتیں بھی امانت ہیں "یعنی ایک جگہ کوئی بات سن کر دوسری جگہ جا سنانا بھی بددیانتی میں داخل ہے۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کو تلقین کی گئی کہ وہ اپنی تمام جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی امانتیں سمجھیں اور ان سب کو اس احساس کے ساتھ استعمال کریں کہ ایک روز اللہ تعالیٰ کو ان کا حساب دینا ہے۔ دیانت کی اس تعریف کے پیش نظر ناممکن ہے کہ کوئی شخص مسلمان بھی ہو اور بددیانت بھی۔ اسی لیے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔

"جس میں دیانت نہیں اس میں ایمان نہیں"

ایفائے عہد: انسانوں کے باہمی تعلقات میں ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنے کو جو اہمیت حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہمارے اکثر معاملات کی بنیاد وعدوں پر ہوتی ہے۔ وہ پورے ہوتے رہیں تو معاملات ٹھیک رہتے ہیں۔ اگر ان کی خلاف ورزی شروع ہو جائے تو سارے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ اسی بگاڑ سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کے لیے اسلام ایفائے عہد کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ (سورۃ الاسراء:۳۴)

ترجمہ: اور پورا کرو عہد بے شک عہد کی پوچھ ہو گی۔

انسان کے تمام وعدوں میں اہم ترین عہد وہ ہے جو اس نے یوم ازل سے بندگی کے معاملے میں اپنے خالق سے کیا ہے۔ قرآن عظیم نے اس کی یاد دہانی اس انداز سے کرائی ہے۔

وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ۙ (سورۃ الانعام:۱۵۲)

ترجمہ: اور اللہ کا عہد پورا کرو تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

ایک اور مقام پر باہمی معاہدوں اور اجتماعی رشتوں کی پاسداری کا لحاظ رکھنے کی ہدایت اس طرح فرمائی گئی۔

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ۙ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ (سورۃ الرعد:۲۰،۲۱)

ترجمہ: وہ لوگ جو پورا کرتے ہیں اللہ کے عہد کو اور نہیں توڑتے اس عہد کو اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جن کو اللہ نے فرمایا ملانا۔

نبی کریم ﷺ نے سخت سے سخت حالات میں بھی عہد کی پابندی فرمائی۔ مثلاً جب صلح حدیبیہ موقع پر حضرت ابو جندل رضی اللہ تعالیٰ عنہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اپنے جسم کے داغ دکھائے کہ اہل مکہ نے انہیں مسلمان ہو جانے پر کتنی اذیت دی ہے اور درخواست کی کہ انہیں مدینہ ساتھ لے جایا جائے تو آپ ﷺ نے اس شفقت کے باوصف جو آپ ﷺ کو مسلمانوں سے تھی انہیں اپنے ہمراہ مدینے لے جانے سے محض اس لیے انکار کر دیا کہ قریش سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ مکہ سے بھاگ کر آنے والے مسلمانوں کو مدینہ سے لوٹا دیا جائے گا۔ حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کی دردناک حالت تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے بے قراری کا باعث تھی۔ لیکن صلح نامہ حدیبیہ کی پاسداری کے پیش نظر سب نے صبر و تحمل سے کام لیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ خطبوں میں اکثر یہ بات فرماتے تھے۔

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَّا عَھْدَ لَہٗ

ترجمہ: جسے وعدے کا پاس نہیں اس میں دین نہیں۔

ہمارے لین دین کے جملہ معاملات اور باہمی حقوق ایفائے عہد ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ اس لیے دین داری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ان سب کی پاسداری کریں۔

۳۔ **سچائی:** سچائی ایک ایسی عالمگیر حقیقت ہے جسے تسلیم کیے بغیر انسان سکھ چین کا سانس نہیں لے سکتا۔ نبی اکرم ﷺ نے اس بات کو نہایت جامعیت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا۔

اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ

ترجمہ: سچائی انسان کو ہر آفت سے محفوظ رکھتی ہے اور جھوٹ اسے ہلاک کر ڈالتا ہے۔

قرآن کریم میں باری تعالیٰ نے اپنے صادق القول ہونے کا ذکر فرمایا۔ مثلاً

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثاً ۝ (سورۃ النساء: ۸۷)

ترجمہ: اور اللہ سے سچی کس کی بات ہے۔

اسی طرح قرآن حکیم میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اس صفت کا بطور خاص ذکر کیا گیا ہے کہ وہ راست گفتار تھے۔ سچائی کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السلام نے وہیں سے سچائی حاصل کی اور دنیا میں پھیلائی۔ اس سچائی سے انکار کرنے والا زندگی کے ہر معاملے میں جھوٹ اور باطل کی پیروی کرتا ہے اور ہلاک ہو کر رہتا ہے۔ اردو میں ہم سچ کا لفظ محض گفتگو کے تعلق سے استعمال کرتے ہیں لیکن قرآن مجید میں اس کے مفہوم میں قول کے ساتھ عمل اور خیال تک کی سچائی شامل ہے۔ یعنی صادق وہ ہے جو نہ صرف زبان ہی سے سچ بولے۔ بلکہ اس کے فکر و عمل میں بھی سچائی رچی بسی ہو۔

۴۔ **عدل و انصاف:** عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق بآسانی مل جائے۔ نظام عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی سرانجام پاتے ہیں اور بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا عدل و انصاف کے تصور سے خالی ہو چکی تھی۔ طاقتور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھنے لگے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔ دین اسلام کے طفیل ظلم و ستم کا یہ کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ و نسل اور قوم و وطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ ناانصافی کی بنا پر انسانوں کے مختلف طبقوں اور گروہوں کے درمیان

نفرت کی جو دیوار کھڑی ہو گئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔اس طرح لوگوں کے درمیان اُنس و محبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسان کے لیے سرمایہ افتخار ہے۔اسلام وہ دین ہے جس نے عدل و انصاف کے معاملے میں بلاامتیاز تمام نسل انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ (سورۃ المائدۃ:۸)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہر گز نہ چھوڑو۔انصاف کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ سے۔

نبی اکرم ﷺ کے وہ ارشادات آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں جو آپ ﷺ نے قبیلہ بنی مخزوم کی فاطمہ نامی خاتون کی چوری سے متعلق سزا کی معافی کی سفارش سن کر ارشاد فرمائے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔"تم سے پہلے قومیں اسی سبب سے برباد ہوئیں کہ ان کے چھوٹوں کو سزا دی جاتی تھی اور بڑوں کو معاف کر دیا جاتا تھا۔خدا کی قسم! اگر فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا"

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا ہے اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد ہی نظام عدل کا قیام ہے۔اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے سلطان عادل کو خدا کا سایہ قرار دیا۔

۵۔احترام قانون: جس طرح قدرت کا نظام چند فطری قوانین کا پابند ہے۔اسی طرح معاشرے کا قیام و دوام، معاشرتی، اخلاقی اور دینی احکام و قوانین پر موقوف ہے یوں تو دنیا کا کم عقل سے کم عقل انسان بھی قانون کی ضرورت، اس کی پابندی اور اہمیت کا اعتراف کرے گا۔لیکن کم لوگ ایسے ہیں جو عملاً قانون کے تقاضے پورے کرتے ہوں۔عصر حاضر میں دو افراد کے باہمی معاملات سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک لوگ ضابطے اور قانون کی پابندی سے گریزاں ہیں اور لاقانونیت کے اس رجحان نے دنیا کا امن و سکون غارت کر دیا ہے۔سوال یہ ہے کہ انسان قانون کی افادیت کا قائل ہونے کے باوجود اس کی خلاف ورزی کیوں کرتا ہے؟ اس کی دو اہم وجوہ ہیں۔

۱۔ خود غرضی اور مفاد پرستی۔

۲۔ اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنا۔

اسلام ان دونوں وجود کا بخوبی تدارک کر کے مسلمانوں کو قانون کا پابند بناتا ہے۔

ایک طرف وہ انہیں خدا پرستی اور ایثار و سخاوت کا درس دیتا ہے۔ دوسری طرف ان میں آخرت کی جواب دہی کا احساس و شعور پیدا کرتا ہے۔ اسلام انہیں احساس دلاتا ہے کہ وہ اپنے اثر ورسوخ یا دھوکے فریب سے دنیا میں قانون کی خلاف ورزی کی سزا سے بچ بھی گئے تو آخرت میں انہیں خدا کی گرفت سے کوئی نہیں بچا سکے گا۔ آخرت میں جواب دہی کا یہی احساس اسلامی معاشرے کے گناہ میں ملوث ہو جانے والے افراد کو از خود عدالت میں جانے پر مجبور کرتا ہے اور وہ اصرار کرتے ہیں کہ انہیں دنیا میں سزا دے کر پاک کر دیا جائے تاکہ وہ آخرت کی سزا سے بچ جائیں۔

لوگوں کے دلوں میں قانون کے احترام سچا جذبہ پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ خود حکمران طبقہ بھی قانون کی پاسبانی کرے اور اپنے اثر ورسوخ کو قانون کی زد سے بچنے کا ذریعہ شاید ہی کوئی دستور یا آئین ایسا ہو جس میں حکمران طبقے کو مخصوص مراعت مہیا نہ کی گئی ہوں اور قانون میں آقا و غلام اور شاہ و گدا کا کوئی امتیاز نہ ہو۔ اسلامی تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ گم ہو گئی اور ایک یہودی سے ملی خود خلیفہ وقت ہونے کے باوصف آپ اسے قاضی کی عدالت میں لے گئے اور جب اس نے آپ کے بیٹے اور غلام دونوں کی گواہی ان سے قریبی تعلق کی بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تو آپ اپنے دعوٰی سے دستبردار ہو گئے احترام قانون کی اس مثال نے یہودی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

۶۔ **کسبِ حلال:** کسب حلال کے بارے میں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَآاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ (سورۃالمومنون: ۵۱)

ترجمہ: اے رسولو! کھاؤ ستھری چیزیں اور کام کرو بھلا۔

اسی طرح تمام انسانوں کو تلقین فرمائی گئی۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۡ (سورۃالبقرۃ: ۱۶۸)

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ۔

مزید برآں مسلمانوں کو خصوصی تاکید کی گئی۔

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (سورۃالبقرۃ: ۱۷۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو روزی دی ہم نے تم کو۔

اسلام میں عبادات اور معاملات کے ضمن میں کسب حلال کو بے حد اہمیت حاصل ہے۔ اس لیے عبادات کی مقبولیت کے لیے کسب حلال کو لازمی شرط قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (سورۃ البقرۃ:۱۸۸)

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق۔

جس معاشرے میں ناجائز ذرائع آمدنی یعنی ناانصافی، بددیانتی، رشوت ستانی، سود خوری، چوری، ڈاکہ زنی، ذخیرہ اندوزی، فریب دہی اور سٹے بازی کا رواج عام ہو جائے اس معاشرے کی کشتی تباہی کے گرداب میں پھنس کر رہ جاتی ہے اور بربادی اس معاشرے کا مقدر بن جاتی ہے۔ اسلام ہر معاملے میں کسب معاش کے ان تمام غلط طریقوں سے بچنے کی تلقین کرتا ہے اور ناجائز ذرائع کے اختیار کرنے والوں کو جہنم کی خبر دیتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ ''حرام رزق پر پلنے والے جسم کو جہنم ہی کا ایندھن بننا چاہیے'' جس شخص کو خدا تعالیٰ اور یوم آخرت پر یقین ہو گا وہ کبھی جائز وسائل کو چھوڑ کر ناجائز ذرائع کا رخ نہیں کرے گا۔ خواہ ان میں کتنی ہی دلکشی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو شخص اس شیطانی وسوسے میں مبتلا ہو کہ میں ناجائز ذرائع سے اپنے مقدر سے زیادہ کما سکتا ہوں وہی حرام طریقوں کا سہارا لے گا۔ شیطان کے اس حربے کو ناکام بنانے کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اعلیٰ معیار زندگی کا ڈھونگ رچانے کی بجائے سادگی، کفایت شعاری، میانہ روی اور قناعت پسندی کے اصولوں پر کاربند رہا جائے۔

۷۔ **ایثار:** دنیا پرستی اگر انسان کو خود غرضی او مفاد پرستی سکھاتی ہے تو خدا پرستی اس میں جذبہ ایثار پیدا کرتی ہے۔ وہ تکلیف اٹھا کر خلق خدا کو راحت و آرام پہنچاتا ہے۔ اس کا عمل خدا کی بارگاہ میں شرف قبولیت پائے گا اور اخروی نعمتوں کے حصول کا سبب بنے گا۔

دیگر محاسن اخلاق کی طرح نبی اکرم ﷺ ایثار و سخاوت کا بہترین نمونہ تھے اور سربراہ مملکت ہوتے ہوئے بھی انتہائی غربت و عسرت کی زندگی گزارتے تھے۔ خانہ مبارک میں ہفتوں چولھا نہیں جلتا تھا لیکن آپ ﷺ کے گھر سے کوئی سائل محروم نہیں اٹھا۔ اپنے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو قرض لے کے حاجت مند کی حاجت پوری کرتے۔ ایک بار آپ ﷺ نے جانور ذبح فرمایا اور گوشت تقسیم کی غرض سے گھر بھیج دیا۔ کچھ دیر بعد گھر میں آکر دریافت فرمایا کتنا تقسیم ہو گیا اور کتنا بچا۔ عرض کیا گیا کہ عمدہ قسم کا گوشت تقسیم ہو گیا ہے اور خراب قسم کا گوشت باقی رہ گیا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''اور جو تقسیم ہو گیا ہے وہ رہ گیا ہے اور جو باقی بچا ہے حقیقت میں وہ چلا گیا ہے''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم بھی جذبہ ایثار سے سرشار تھے اور اپنی ضرورت پر دوسروں کی حاجت کو ترجیح دیتے تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ رومیوں کے مقابلے میں جانے والی فوج کے ساز و سامان کے لیے مسلمانوں سے مالی اعانت طلب کی گئی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کا سارا سامان لے آئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانے میں باہر سے آنے والا غلہ دوگنے چوگنے منافع کی پیش کش کرتے ہوئے خریدا اور بلا معاوضہ تقسیم کر دیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ایثار کے سلسلے میں ایک واقعہ بڑا اثر انگیز ہے۔ ایک بار کوئی بھوکا پیاسا شخص حضور پر نور ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ رسول کریم ﷺ کے دولت کدے پر پانی کے سوا کچھ نہ تھا۔ حسب دستو ایک انصاری صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ ﷺ کے مہمان کو اپنے ہمراہ لے گئے۔ گھر پہنچ کر بیوی سے معلوم ہوا کہ کھانا صرف بچوں کے لیے کافی ہے۔ انہوں نے کہا بچوں کو بہلا کر فاقے کی حالت میں سلا دو اور کھانا شروع کرتے وقت کسی بہانے چراغ بجھا دو۔ تاکہ مہمان کو یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ ہم کھانے میں شریک نہیں۔ ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا اور انصاری کا یہ پورا گھرانا بھوکا سو یا رہا۔ صبح جب یہ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اللہ جل شانہ تمہارے رات کے حسن سلوک سے بہت خوش ہوا۔ ایسے ہی ایثار پیش لوگوں کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕ (سورۃ الحشر: ۹)

ترجمہ: اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو اپنے اوپر فاقہ۔

ہجرت کے موقع پر انصار مدینہ نے مہاجرین مکہ کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلے میں جس ایثار و قربانی کا ثبوت دیا اس کی مثال تاریخ عالم میں کہیں بھی نہیں ملتی۔

(ب) رذائلِ اخلاق

جس طرح اخلاق حسنہ کی ایک طویل فہرست ہے جن کو اپنا کر آدمی دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے اسی طرح کچھ ایسے اخلاق رذیلہ ہیں جن کو اختیار کرنے کے بعد انسان حیوانی درجے میں جا گرتا ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو جاتا ہے۔ مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی کہ وہ اخلاق فاضلہ سے آراستہ ہوں اور اخلاق رذیلہ سے بچیں جو انسان کی شخصیت کو داغ دار کر دیتے ہیں اور اسے ہر قسم کی نیکی اور بھلائی سے محروم کر دیتے ہیں۔ چند ایک رذائل اخلاق درج ذیل ہیں۔

ا۔ **جھوٹ:** جھوٹ نہ صرف یہ کہ بجائے خود ایک برائی ہے بلکہ دیگر بہت سے اخلاقی برائیوں کا سبب بھی بنتا ہے۔ اسلام میں جھوٹ بولنے کی سختی سے مذمت کی گئی ہے۔ جھوٹ بولنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرایا گیا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ○ (سورۃ الزمر: ۳)

ترجمہ: البتہ اللہ راہ نہیں دیتا اس کو جو جھوٹا اور حق نہ ماننے والا ہو۔

نبی اکرم ﷺ سے کسی شخص نے دریافت کیا "یا رسول اللہ ﷺ! جنت میں لے جانے والا کون سا عمل ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "سچ بولنا" جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیکی کا کام کرتا ہے۔ اس سے اس کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور ایمان میں یہ

اضافہ جنت میں داخلے کا سبب بنتا ہے۔''اس شخص نے دریافت کیا۔''یارسول اللہ ﷺ! دوزخ میں لے جانے والا کام کیا ہے۔'' فرمایا''جب بندہ جھوٹ بولے گا تو گناہ کے کام کرے گا۔ جب گناہ کے کام کرے گا تو کفر کرتا چلا جائے گا اور یہ کفر اسے جہنم میں لے جائے گا''، جھوٹ کا تعلق محض زبان سے نہیں بلکہ بہت سے دوسرے ناپسندیدہ اعمال بھی جھوٹ کی تعریف میں آتے ہیں۔ مثلاً غلط طریقے سے کسی کا مال ہتھیانا، کم تولنا، غرور کرنا، منافقت سے کام لینا وغیرہ۔ نبی اکرم ﷺ نے نمود و نمائش کو بھی جھوٹ کی ایک قسم قرار دیا۔ جھوٹ کے نتیجے میں باہمی اعتبار اور اعتماد ختم ہو جاتا ہے اور معاشرتی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جھوٹ کی ہر قسم سے پرہیز کریں۔

۲۔ **غیبت:** اخلاقی بیماریوں میں غیبت جس قدر بری بیماری ہے بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اسی قدر عام ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہوں گے جو اس بیماری سے محفوظ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گناہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ (سورۃ الحجرات: ۱۲)

ترجمہ: اور برا نہ کہو پیٹھ پیچھے ایک دوسرے کو، بھلا خوش لگتا ہے تم میں کسی کو کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو تو گھِن آتا ہے تم کو اس سے۔

غیبت کے لیے مردہ بھائی کا گوشت کھانے کی تمثیل انتہائی بلیغ ہے۔ کیونکہ جس شخص کی غیبت کی جاتی ہے وہ اپنی مدافعت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح غیبت سے باہمی نفرت کو ہوا ملتی ہے اور دشمنی کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ غیبت کے مرض میں مبتلا شخص خود کو عموماً عیبوں سے پاک تصور کرنے لگتا ہے اور جس کی غیبت کی جائے وہ اپنے عیب کی تشہیر ہو جانے کے باعث اور ڈھیٹ ہو جاتا ہے۔ غرض غیبت ہر لحاظ سے معاشرتی سکون کو برباد کرتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کے واقعات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے ناخن تانبے کے تھے اور وہ لوگ اس سے اپنے چہروں اور سینوں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہی جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی عزت و آبرو بگاڑتے ہیں۔ (یعنی غیبت کرتے ہیں)

شریعت اسلامی میں غیبت صرف دو صورتوں میں جائز قرار دی گئی ہے۔ ایک مظلوم کی ظالم کے خلاف فریاد کی شکل میں اور دوسرے لوگوں کو کسی فریب کار کی فریب کاری سے آگاہ کرنے کے لیے۔ بعض علما نے نقل اتارنے اور تحقیر آمیز اشارات کرنے کو بھی غیبت میں شمار کیا ہے۔

غیبت اور اتہام میں فرق ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ غیبت سے مراد کسی شخص کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کرنا ہے جو اس میں موجود ہے۔ جب کہ اتہام (تہمت لگانا) سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کا ایسا عیب بیان کیا جائے جو اس میں موجود نہیں ہے اور اس کے دامن عفت کو بلاوجہ داغ دار بنایا جائے۔

۳۔ **منافقت:** علمائے اسلام نے منافق کی دو اقسام بیان کی ہیں۔ ایک وہ منافق جو دل سے اسلام کی صداقت و حقانیت کا قائل نہیں۔ لیکن کسی مصلحت یا شرارت کی بنا پر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں اور اسلام دونوں کو نقصان پہنچاتا ہے اسے اعتقادی منافق کہتے ہیں۔ دوسرا وہ منافق ہے جو اگرچہ خلوص نیت سے اسلام قبول کرتا ہے لیکن بعض بشری کمزوریوں کی وجہ سے اسلام کے عملی احکام پر چلنے میں تساہل یا کوتاہی کرتا ہے۔ اسے عملی منافق کہتے ہیں۔ پہلی قسم کا منافق کافروں سے بدتر ہے۔ جب کہ دوسری قسم کا منافق صاحب ایمان ضرور ہے لیکن اس کی تعلیم و تربیت ابھی ناقص ہے۔ جو کسی معلم و مربی کے فیضان نظر یا صحبت نشینی سے اسے حاصل ہو سکتی ہے۔

مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی سب سے خطرناک چال یہ ہوتی ہے کہ وہ دین داری کے پردے میں مسلمانوں کو باہم لڑا دیں۔ اسی مقصد کے لیے انہوں نے مدینے میں مسجد نبوی ﷺ کے مقابل مسجد ضرار تعمیر کی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ نے اس مسجد کو مسمار کرا کے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

(سورۃ التحریم: ۹)

ترجمہ: اے نبی! لڑائی کر منکروں سے اور دغا بازوں سے اور سختی کر ان پر اور ان کا گھر دوزخ ہے۔

ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی پہچان بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں۔

جب بولے تو جھوٹ بولے۔

جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔

جب کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

ان نشانیوں کے ہوتے ہوئے چاہے وہ نماز اور روزے کا پابند ہو وہ منافق ہی ہے۔ قرآن مجید میں ان منافقوں کے انجام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نچلے اور تکلیف دہ حصے میں رکھے جائیں گے۔

۴۔ **تکبر:** تکبر کے معنی خود کو بڑا اور برتر ظاہر کرنے کے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے لفظ بڑائی استعمال کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوقات میں سب سے پہلے شیطان نے تکبر کیا اور کہا کہ میں آدم سے افضل ہوں۔ اس لیے ان کو سجدہ نہیں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا۔

فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا یَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِیۡهَا فَاخۡرُجۡ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِیۡنَ ۝

(سورۃ الاعراف: ۱۳)

ترجمہ: تو اتر یہاں سے تو اس لائق نہیں کہ تکبر کرے یہاں۔ پس باہر نکل تو ذلیل ہے۔

وہ دن اور آج کا دن۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہوتا چلا آیا ہے اور فرمان خداوندی کے مطابق، آخرت میں بھی متکبر انسانوں کا ٹھکانا جہنم ہو گا۔

اَلَیۡسَ فِیۡ جَهَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَكَبِّرِیۡنَ (سورۃ الزمر: ۶۰)

ترجمہ: کیا نہیں دوزخ میں ٹھکانہ غرور کرنے والوں کا۔

تکبر کی مذمت فرماتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جس کے دل میں رائی برابر بھی غرور اور تکبر ہو گا وہ انسان جنت میں داخل نہیں ہو گا۔''

مغرور و متکبر انسان دوسروں کو حقیر سمجھ کر ظلم و زیادتی کرتا ہے اور گناہوں پر بے باک ہو جاتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ مجھے میرے گناہوں کی سزا کون دے سکتا ہے۔ اسی لیے وہ مروت، اخوت، ایثار اور اس قسم کی بہت سی دوسری بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

۵۔ **حسد:** انسان دوستی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کو اچھی حالت میں دیکھیں تو خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی نعمتوں سے نوازا ہے لیکن حسد وہ بری خصلت ہے جو کسی کو خوش حال اور پر سکون دیکھ کر انسان کو بے چین کر دیتی ہے اور وہ اپنے بھائی کی خوشحالی کو دیکھ کر خوش ہونے کی بجائے دل ہی دل میں جلتا اور کڑھتا ہے۔ ایسا کرنے سے وہ دوسروں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ خود اپنے لیے پریشانی مول لے لیتا ہے۔ اور یوں تو حسد ایک اخلاقی بیماری ہے لیکن اس کے نتیجے میں انسان کئی دوسری اخلاقی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب وہ دوسروں کو بہتر حالت میں دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا تو وہ اپنے بہت سے عزیزوں سے ترکِ تعلق کر لیتا ہے جو ایک ناپسندیدہ بات ہے۔ اسی طرح جس شخص کی طبیعت میں حسد پیدا ہو جائے وہ کبھی قانع نہیں ہو سکتا۔ وہ ہمیشہ اپنے سے برتر کو دیکھ کر اپنی حالت زار پر کف افسوس ملتا رہتا ہے۔ اس کی وہ صلاحیتیں جو حالت بہتر بنانے پر صرف ہو سکتی ہیں ہمیشہ دوسروں کی حالت بگاڑنے ہی کی فکر میں ضائع ہوتی ہیں۔ حاسد اپنی بھڑکائی ہوئی آگ میں خود ہی جلتا رہتا ہے۔ گو اسلام اپنے پیروکاروں کو محبت اور احسان کی تلقین کرتا ہے لیکن حاسد کے دل میں سوائے نفرت اور جلن کے کوئی شریفانہ جذبہ جگہ نہیں پا سکتا۔ اجتماعی فلاح کے معانی یہ ہیں کہ معاشرے کے جملہ افراد معزز اور خوشحال ہوں۔ لیکن حاسد، لوگوں کی نیک نامی اور خوشحالی کو ذلت و خواری میں بدلتے دیکھنا چاہتا ہے۔ پس ایک نہ ایک دن وہ معاشرے کی نظروں میں ذلیل ہو کر رہتا ہے۔ مسلمانوں کو ان تمام نقصانات سے بچانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے حسد سے بچنے کی تلقین فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔

اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ

ترجمہ: دیکھو! حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔

اگر انسان حسد جیسے اخلاق رذیلہ سے بچنا چاہے تو اسے بزرگان دین کی سادگی و قناعت کی تاریخ مثالوں سے نصیحت حاصل کرنی چاہیے۔ مزید برآں وہ دولت واقتدار سے پیدا ہونے والی برائیوں اور مفاسد پر نظر رکھے۔

سوالات

۱۔ ارکان اسلام سے کیا مراد ہے۔ فرد کی تعمیر سیرت اور معاشرہ کی تشکیل میں نماز کیا کردار ادا کرتی ہے؟

۲۔ روزے کے مقاصد اور عملی زندگی پر اس کے اثرات بیان کریں۔

۳۔ اسلام کے معاشی نظام میں زکوٰۃ کی بنیادی حیثیت پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

۴۔ حج کا فلسفہ کیا ہے؟ نیز اس کے انفرادی اور اجتماعی فوائد بیان کریں۔

۵۔ جہاد اسلامی سے کیا مراد ہے؟ اس کی قسمیں اور فضائل بیان کریں۔

۶۔ اولاد کے حقوق و فرائض قرآن و سنت کی روشنی میں واضح کریں۔

۷۔ اسلام نے عورت کو معاشرہ میں کیا مقام دیا ہے؟ اس کے حقوق اور اس کی ذمہ داریاں بیان کریں۔

۸۔ مندرجہ ذیل کے حقوق و فرائض پر مختصر نوٹ لکھیں۔

رشتہ دار، ہمسائے، اساتذہ، غیر مسلم

۹۔ معاشرہ کے اسلام تشکیل کے لیے کن امور کی پابندی ضروری ہے؟

۱۰۔ رذائلِ حقوق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ رذائل کا تفصیلاً ذکر کریں جن سے معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

۱۱۔ محاسن اخلاق سے کیا مراد ہے؟ ایسے پانچ محاسن اخلاق تفصیلاً بیان کریں جن سے معاشرہ سنور سکتا ہے۔

۱۲۔ کسب حلال کی اہمیت بیان کریں۔

۱۳۔ ''حاسد قناعت کی دولت سے محروم رہتا ہے۔'' وضاحت کیجئے۔

۱۴۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایثار کا کوئی واقعہ بیان کیجئے۔

۱۵۔ حکمران طبقے کے لیے قانون کی پاسبانی کیوں ضروری ہے۔ وضاحت کریں۔

قومی ترانہ

پاک سر زمین شاد باد! کشورِ حسین شاد باد!
تو نشانِ عزمِ عالی شان ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد!

پاک سر زمین کا نظام قوّتِ اُخوّتِ عوام
قوم ، مُلک ، سلطنت پائندہ تابندہ باد!
شاد باد منزلِ مُراد!

پرچمِ سِتارہ و ہلال رہبرِ ترقّی و کمال
ترجُمانِ ماضی، شانِ حال جانِ اِستقبال
سایۂ خُدائے ذُوالجلال!

نیشنل بُک فاؤنڈیشن
بطور
وفاقی ٹیکسٹ بُک بورڈ، اسلام آباد